جلد 13 شمارہ 3 فروری 2011ء ربیع اوّل 1432ھ

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

اللہ

محبت

صداقت

سِلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

ماہنامہ

فلاحِ آدمیّت

منشور دعوت

إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا
تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

(ال عمران-175)

ترجمہ

یہ تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔
اگر تم مومن ہو تو اِن سے مت ڈرنا اور مجھی
سے ڈرتے رہنا۔

ماہنامہ

آدمیت

فلاح

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان
کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیاد خواجہ عبدالحکیم انصاری رح

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

Mob: 0300-6493335

مدیر : احمد رضا

نائب مدیر : پروفیسر محمد احمد شاد

تقسیم کنندہ : نعمان احمد
0300-6452570

ڈیزائنگ اینڈ کمپوزنگ : محمد رفیق

مجلس ادارت

خالد مسعود، پروفیسر منیر احمد لودھی
ائیر کموڈور (ر) اعجاز الدین
پیر خان، عتیق احمد عباسی
ایم طالب، عبدالقیوم ہاشمی
پروفیسر غلام شبیر شاہد

شیخ سلسلہ و مدیر سے رابطہ کے لئے

مرکز تعمیر ملت (ڈاکخانہ سیکنڈری بورڈ)
وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:055-3862835
055-4005431

رابطہ مدیر: 0321-6400942

فیکس نمبر: +92-55-3736841

ای میل: info@toheedia.net

قیمت شمارہ ———— 25/- روپے

سالانہ فنڈ ———— 250/- روپے

پبلشر عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

اس شمارے میں

درس قرآن

(ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک)

العنکبوت

نام

اِس سورت میں ''مکڑی'' کے ذکر کی مناسبت سے ''العنکبوت'' نام قرار دیا گیا ہے۔

زمانہ نزول

یہ سورت ہجرت کے دور کے ساتھ متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ ہجرت کا آغاز ہجرتِ حبشہ سے ہو چکا تھا۔

مضامین

اِس سورۃ کا نزول جس دور میں ہوا، وہ دور مسلمانوں کیلئے مصائب، مشکلات اور شدائد کا دور کہلاتا ہے۔ مسلمانوں کو ایمان سے باز رکھنے کیلئے ایک طرف ظلم کے پہاڑ توڑے جاتے تھے اور دوسری طرف ایمان سے دور رکھنے کیلئے خاندانی دباؤ اور والدین کے حقوق کا حربہ بھی استعمال کیا جاتا تھا۔

اِس سلسلے میں فرمایا کہ والدین کے بہت سے حقوق ہیں لیکن اگر والدین شرک پر مجبور کریں تو ان کی اطاعت لازم نہیں۔ اِسی طرح اگر کوئی شخص آخرت کے عذاب وثواب کی ذمہ داری قبول کرے تو اس کی بات بھی قابل قبول نہیں کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کا خود جوابدہ ہوگا۔

اِن باتوں کی وضاحت کیلئے انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں وہ پہلو نمایاں کئے جن میں ان پر کی گئی سختیوں کا ذکر ہے۔ نیز ان انبیاء کو لمبی مدت تک ستایا گیا مگر وہ اس آزمائش کی گھڑی میں ثابت قدم رہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی مدد کی گئی۔ کفارِ مکہ کو انہی واقعات کے ذیل میں متنبہ کیا کہ جیسے پہلی قومیں آسمانی تعلیمات کی مخالفت کے باعث برباد ہوئیں، تمہارا انجام ان سے مختلف نہ ہوگا۔

ضعیف الایمان لوگوں کو انبیاء کے واقعات سے حوصلہ دلا کر یہ کہا گیا کہ اگر سختیاں نا قابل برداشت ہو چکی ہیں تو زمین و وطن اور گھر بار چھوڑ کر اللہ کی وسیع زمین میں کسی امن والے مقام کی طرف ہجرت کر جاؤ۔

انبیاء علیہم السلام اور اقوام سابقہ کے ذکر میں ابراہیم، لوط، اسحٰق، یعقوب اور شعیب علیہم السلام کے حالات ہیں۔ قوم ثمود و عاد اور طوفانِ نوح کے ذکر کے ساتھ فرعون اور قارون کے عبرت ناک انجام کا ذکر ہے۔ اِنہی آیات میں حکم دیا کہ اللہ کی زمین پر نکل کر اللہ کی نشانیوں میں غور و تدبر کرو۔

اخلاقِ حسنہ میں سے ایمان، اعمال صالحہ، والدین کے ساتھ حسن سلوک، صبر، اقامتِ صلوٰۃ اور توحید کی عظمت کا ذکر ہے۔ جبکہ برے اعمال، فسق اور ظلم و عدوان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔

تفسیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمٓ (1)

أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُتْرَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (2) وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ (3)

"کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بس اتنا کہنے پہ چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ کو تو ضرور یہ دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون"

لوگ آساں سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بات تو یہ ہے کہ یہ کہنا کہ "اٰمنّا" ہم ایمان لائے، اِس سے انسان اسلام میں داخل ہوتا ہے لیکن یہی سب کچھ نہیں ہے۔ ایسا کہنے سے انسان کی جان نہیں چھوٹتی بلکہ پھنس جاتی ہے۔ عام طور پر ہمارے ہاں یہ مشہور ہے کہ جو شخص کلمہ پڑھ لے، وہ دین میں داخل ہو جاتا ہے اور وہ سیدھا جنت میں چلا جاتا ہے۔

دین میں داخل ہونا تو درست ! مگر کیا یہی کچھ کافی ہے؟ کیااِس کے بعد کسی جد و جہد کی ضرورت نہیں؟

ایک مثال

اِس بات کی وضاحت کیلئے ایک مثال پیش خدمت ہے۔ایک شخص نکاح کرتا ہے۔ ایجاب وقبول کرلیتا ہے،تو کیااِس نکاح کے بعد قصہ ختم ہوگیا؟نہیں ہرگز نہیں یہ تو ابتدائے عشق ہے۔اب تو پھنس گئے،اب تو بے شمار ذمہ داریوں کا سلسلہ شروع ہوگیا(بیوی کا نان نفقہ،بچوں کی تربیت،رشتہ داروں سے صلہ رحمی اور اِن سب کے ساتھ ربط میں ایک خاص توازن وغیرہ) اِس لئے نکاح اورایجاب وقبول سے معاملہ ختم نہیں ہوتا۔جب آپ نے کہہ دیا **اَشْهَدُ اَنْ لاَّ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ** تواب اللہ تعالیٰ کے احکام شروع ہوگئے۔جیسے ایک طالب علم یونیورسٹی میں داخلہ لے لےتو ٹیکسٹ بک خریدنی پڑے گی،کلاس روم میں بیٹھنا پڑے گا،روزانہ کلاسوں کی تیاری کرنی پڑے گی اور پھر امتحان بھی ہوگااور یہی ارشادِ باری ہے۔

''ہم آزمایا کرتے ہیں۔ہم نے تم سے پہلے بھی لوگوں کوآزمایا''

حدیث شریف میں ہے!

سیدنا خباب بن ارتؓ نبی اکرمﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔آپﷺ کعبے کی دیوار کے ساتھ سہارالگا کر بیٹھے ہوئے تھے۔عرض کیا:یا رسول اللہﷺ! آپ ہمارے لئے دُعا فرمائیں،ہم تو بہت مشکل میں ہیں۔سخت آزمائش ہورہی ہے۔یہ سن کرآپ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔فرمایا:''تم سے پہلے جواہل ایمان گزر چکے ہیں،ان پراِس سے زیادہ سختیاں کی گئیں۔اِن میں سے کسی کوزمین میں گڑھا کھود کر گاڑ دیا جاتا اور کسی کے سر پرآرا چلا کراس کے دوٹکڑے کیے گئے۔کسی کے جوڑوں اورکولھوں پرلوہے کے کنگھے کسے گئے تاکہ وہ ایمان سے باز آجائیں۔خدا کی قسم یہ کام پورا ہوکررہے گا یہاں تک کہ ایک شخص صنعاء سے حضرموت تک بلا کھٹکے سفر کرے گا اوراللہ کے سوا کوئی نہ ہوگا جس کا وہ خوف کرے''۔

اہل ایمان کی اس طرح کی آزمائش کے بعد ہی نصرت کا فیصلہ ہوتا ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی نصرت آتی ہے تو پھر وہ سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتا ہے۔

ماں باپ سے حُسنِ سلوک

مکہ کے نوجوان جب ایمان کی طرف راغب ہونے لگے تو ان کو ایک دھوکہ دے کر بہکانے کی کوشش کی گئی کہ ماں باپ کے حقوق اولاد پر بے حد وحساب ہیں، اس لئے اپنے آبائی دین سے بغاوت کرکے والدین کو اذیت نہ دینا چاہئے۔اس کے بارے میں فرمایا!

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْناً وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (8)

''اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے۔اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے جس کی حقیقت سے تجھے آگاہی نہیں تو انکا کہنا نہ ماننا''۔

یہ بات درست ہے کہ دنیا میں ماں باپ سے زیادہ حق کسی کا نہیں لیکن اللہ کا حق ان سے بھی زیادہ ہے کہ ایک مسلمان والدین کی خاطر دینِ حق کو ترک نہ کرے۔

دنیا میں آزمائش

اِس کے بعد ذکر فرمایا کہ ہم ایمان کے دعویدار لوگوں کو کبھی کبھی آزمائش میں مبتلا کرتے ہیں۔اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ایک تو یہ کہ اس سے مخلص مومن کے درجات بلند کئے جاتے ہیں۔دوسرا یہ کہ اس آزمائش کی گھڑی میں مفاد پرست اور منافق لوگ جب اہل ایمان سے الگ روش اختیار کرتے ہیں تو ان کا پول خود ان کے کردار سے کھل جاتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ (11)

''اللہ ان کو ضرور ظاہر کرے گا جو مومن ہیں اور منافقوں کو بھی ظاہر کرکے رہے گا''۔

اہل باطل کا ایک فریب

جب اہل ایمان کی تعداد روز افزوں تھی تو اہل باطل نے کمزور اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کو یوں بہکانا شروع کیا کہ تم اس نئے دین کو بے شک ترک کردو۔ رہا معاملہ آخرت کا تو اس روز ہم تمہارے گناہوں کا بوجھ خود اُٹھائیں گے۔ اِس فریب سے آگاہی کیلئے فرمایا:۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لِلَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُم بِحَامِلِيْنَ مِنْ خَطَايَاهُم مِّن شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ (12) وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالاً مَّعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ (13)

''اور جو کافر ہیں، وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے دین کی پیروی کرو۔ ہم تمہارے گناہ اُٹھائیں گے حالانکہ وہ ان گناہوں کا بوجھ اُٹھانے والے نہیں۔ بلا شبہ یہ جھوٹے ہیں اور یہ اپنے بوجھ بھی اُٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ اور لوگوں کے بوجھ بھی۔ اور جو بہتان یہ باندھتے رہے، قیامت کے دن ان سے ضرور ان کی پوچھ گچھ ہوگی''۔

یہ صرف اِس دور کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس دور میں بھی اہل باطل اِس قسم کا دھوکا دیتے ہیں۔ اور سادہ لوح لوگوں کو اسی آخرت کی باز پرس سے نجات کا دھوکہ دے کر دنیا میں ان کو لوٹتے ہیں۔

نوح علیہ السلام کا ذکر

نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو برس تک قوم کو سمجھاتے رہے۔ جب قوم نہ مانی تو غرقاب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو سفینۂ نوح کے ذریعے سے نجات دلا دی۔

ابراہیم علیہ السلام

ابراہیم علیہ السلام نے بھی قوم کو راہِ ہدایت دکھائی اور شرک کی ناپائیداری کا ذکر یوں کیا۔

إِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ لَكُمْ رِزْقاً فَابْتَغُوا عِندَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (17)

''تم جن کو اللہ کے علاوہ پوجتے ہو، وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے۔ پس اللہ ہی سے رزق طلب کرو۔ اسی کی عبادت کرو۔ اسی کا شکر ادا کرو۔ تم کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے''

اہل مکہ کیلئے خصوصاً ابراہیم علیہ السلام کے پیغام کا یوں ذکر اس لئے کیا گیا کہ وہ بھی ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ ان کو بتایا کہ آپ لوگوں کیلئے ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات تو یہ تھیں۔

1۔ شرک سے بچو۔

2۔ رزق اللہ ہی سے مانگو کہ یہ اس کا فضل وانعام ہے۔

3۔ اللہ ہی کی عبادت کرو۔

4۔ اللہ کی نعمتوں کا شکرادا کرو۔

5۔ موت برحق ہے۔ اس کے بعد اللہ کے پاس حاضری ضرور ہوگی۔

ہجرت واستقامت

اِس کے بعد عقیدہ حیات بعد الموت کیلئے بطور دلیل مشاہدے کا حکم دیا۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ سِيْرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ (20)

"کہہ دیجئے کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس نے کس طرح مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا پھر اللہ ہی آخری مرتبہ پیدا کرے گا"۔

جب یہ سارے حقائق سنتے سنتے قوم سے جواب نہ بن پڑا تو فیصلہ کیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو قتل کر کے یا جلا کر ان سے چھٹکارا حاصل کرلیا جائے۔ اور اِس مقصد کیلئے آگ کی چتا بنا کر ابراہیم علیہ السلام کو اِس میں ڈال بھی دیا گیا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اِس آگ کو گل و گلزار بنا دیا اور ابراہیم علیہ السلام کو نجات دلا دی۔

اہل ایمان کے سامنے اس واقعے کا ذکر ان کو استقامت کی تعلیم دینے کیلئے ہے کہ دین حق کی راہ میں مصائب ضرور آتے ہیں مگر ذرا دیکھو تو ابراہیم علیہ السلام نے جب ہٹ دھرم اور بدکار قوم کے ساتھ نباہ نہ ہوتے دیکھا تو فرمایا:۔

اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ۝ (26)

"میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں"۔

یعنی اِس ظلمت کدے کو چھوڑ کر اللہ کی وسیع وعریض زمین میں ہجرت کی ٹھان لی۔ اگر تم بھی مکہ میں گھٹن محسوس کرتے ہو تو یہاں سے ہجرت کر جاؤ۔ اور دارِ ہجرت میں آزادی سے احکامِ الٰہی پر عمل کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی نعمتوں سے نوازے گا جس کا تصور بھی تم نہ کر سکو۔ اللہ تعالیٰ نے استقامت دینی کے بعد ابراہیم علیہ السلام پر بے شمار انعامات کئے۔ آپ کو ایسی عظیم المرتبت اولاد عطا کی جو منصب نبوت کی حامل تھی۔

لوط علیہ السلام کا ذکر

لوط علیہ السلام نے جب قوم کو شرک اور غیر فطری فعل سے روکا تو وہ بدکار قوم رُکنے کی بجائے آپ کے درپے آزار ہوگئی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ یوں کیا کہ عذاب کی تمنا بلکہ مطالبہ کر ڈالا لیکن لوط علیہ السلام استقامت کے پہاڑ بنے رہے اور اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ سے مدد مانگی۔

رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِيْنَ ٥ (30)

"اے میرے رب! اِن مفسد لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما"۔

ظالم کون؟

لوط علیہ السلام کی قوم پر اِن کی بداعمالیوں کی وجہ سے ایسا عذاب آیا کہ ان کا نام ونشان اِس دنیا سے مٹ گیا۔ اِن کے بعد اِس قسم کی سرکشی کی علمبردار اقوام عاد وثمود کو بھی غارت کر دیا گیا۔ اِن تباہ شدہ اقوام کے بعد سرکش اور مغرور افراد قارون، فرعون اور ہامان کی ہلاکت کی مثال بیان کی اور فرمایا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ٥ (40)

"اور اللہ تعالیٰ اِن پر کوئی ظلم نہیں کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں"۔

پھر اِس ظلم کی بدترین شکل یعنی شرک کی حقیقت کا ذکر کیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ط وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ٥

اِنَّ اللّٰـهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ o (41-43)

''جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور کارساز بنا رکھے ہیں، اِن کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک گھر بناتی ہے اور بلاشبہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ جانتے! بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جن چیزوں کو وہ اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں۔ وہ غالب اور حکم والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کو سمجھانے کیلئے بیان کرتے ہیں''۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مکڑی کا گھر بے بنیاد ہے، اِسی طرح ان لوگوں کا دین بھی بے بنیاد ہے۔ کاش یہ لوگ عقل وشعور سے کام لیتے!

نفس انسانی کا سب سے بڑا مسئلہ

اِن ساری باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین پر استقامت لازم ہے مگر انسانی شخصیت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ حق کو حق جاننے کے بعد انسان اس کے خلاف عمل کرتا ہے اور باطل کو باطل جاننے کے باوجود اس سے بچ نہیں پاتا جیسا کہ غالب نے کہا:

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

اِس طبیعت کے میلان کے علاج کیلئے استقامت ضروری ہے کیونکہ

اَلْاِ سْتِقَامَتُه فَوْقَ الْكِرَامَتِه۔

''دین پر استقامت اختیار کرنا کرامت سے بلند ہے''۔

(جاری ہے)

(درسِ حدیث)

حضور ﷺ کی معاشی زندگی

(مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی)

بخاری و مسلم و ترمذی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے حضور ﷺ کی ایک دُعا یوں منقول ہے۔

اللھم اجعل رزق ال محمد قوتاo

"اے اللہ خاندانِ محمد ﷺ کی روزی کو بقدرِ کفایت ہی رکھنا"۔

پھر ترمذی میں حضرت انسؓ سے حضور ﷺ کی ایک دُعا کے الفاظ یوں مروی ہیں:۔

اللھم احینی مسکیناً و امتنی مسکینا واحشر فی زمرۃ المسکین۔

"اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکینیت ہی پر موت دے اور مساکین ہی میں میرا حشر فرما۔

لیکن کیا یہ محض دعا ہی تھی یا اِس کے مطابق زندگی بھی تھی؟ یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی کہ حضور ﷺ ایک چیز کی تمنا یا دُعا فرمائیں اور عملی کوشش اس سے مختلف ہو۔ ایک ریا کار لیڈر تو یہ کر سکتا ہے کہ زبان کچھ ہو اور عمل کچھ، لیکن حضور ﷺ کے متعلق تو ایسا گمان کرنا بھی کفر ہے۔ آیئے ذرا حضور ﷺ کی زندگی کو بھی دیکھتے چلیں۔

ما شبع ال محمد من خبز الشعیر یومین متتابعین حتی قبض صلی اللّٰہ علیہ وسلم .... ما اکل ال محمد اکلتین فی یوم واحد الا احدھما تمر.... لقد مات النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وما شبع من خبز وزیت فی یوم واحد مرتین ۔

"یعنی حضور ﷺ اور حضور ﷺ کے گھر والوں نے جو کی روٹی دو دن بھی مسلسل پیٹ بھر کر نہیں کھائی یہاں تک کہ اسی حالت میں حضور ﷺ کی وفات ہوگئی۔ حضور ﷺ نے اور حضور ﷺ

کے گھر والوں نے ایک دن بھی کبھی ایسے دو کھانے نہیں کھائے جن میں ایک محض کھجور نہ ہو۔ حضورﷺ رحلت فرما گئے لیکن کسی دن دوبار روٹی اور روغن پیٹ بھر نہیں کھایا''۔

ترمذی میں حضرت انسؓ سے خود حضورﷺ کے الفاظ یوں مروی ہیں۔

لقد اخفت فی اللّٰہ ما لم یخف احد واوذیت فی اللّٰہ مالم یوذ احد قبلی ولقد اتی علی ثلثون من بین یوم و لیلۃ وما لی ولبلالؓ طعام الاشی یوا ریہ ابط بلال۔

''راہِ خدا میں جتنا مجھے ڈرایا دھمکایا گیا ہے اور جتنی مجھے اذیتیں پہنچائی گئی ہیں اتنا ڈرا اور اتنی اذیتیں مجھ سے پہلے کسی کے حصے میں نہیں آئیں۔ مجھ پر تیس تیس دن ایسے گزرے ہیں جبکہ میرے لئے اور بلالؓ کیلئے بس اتنی ہی کھانے کی کوئی چیز ہوتی تھی جو بلالؓ کی بغل میں سما کر چھپ جائے''۔

یہ تو کھانے کا حال تھا۔ اب ذرا لباس کا ذکر بھی سن لیجئے۔

قزوینی حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

لبس رسول اللّٰہ ﷺ الصوف احتذی المخصوف۔۔ ولبس خشنا۔۔

''یعنی حضورﷺ نے عموماً اونی یا موٹا کپڑا پہنا اور پیوند دار جوتی پہنی ہے''۔

بخاری و مسلم وابوداؤد و ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے۔

دخلت علی عائشۃؓ فاخرجت الینا کساء ملبداً و ازاراً غلیظ واقسمت باللّٰہ لقد قبض روح النبی ﷺ فی ھذین الثوبین۔

''یعنی میں اُم المومنین عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ایک پیوند دار چادر اور ایک گاڑھے کا تہبند نکال کر دکھایا اور قسم کھا کر بیان کیا کہ ان ہی دونوں کپڑوں میں حضورﷺ نے رحلت فرمائی''۔

مسلم اور نسائی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے

لبس النبی ﷺ یوم قباء ریباج اھدی له ثم اوشک ان نزعه فارسل به الی عمر فقیل قد ما اوشک ما نزعت یا رسول اللّٰہ فقال نھانی عنه جبریل فجاء عمر یبکی فقال یا رسول اللّٰہ اکرھت امرا وا عطیتنیه فمالی؟ فقال انی لم اعطکه لتلبسه انما اعطیتکه لتبیعه فباعه بالفی درھمo

"حضور ﷺ نے ایک دن دیبا کی قبا زیب تن فرمائی جو ہدیے میں آئی تھی۔ اس کے بعد بہت جلد ہی ایسے اُتار ڈالا اور اُسے حضرت عمرؓ کے پاس بھجوا دیا۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ: یا رسول اللہ ﷺ اتنی جلدی اُسے کیوں اُتار پھینکا؟ فرمایا: جبرئیل نے مجھے اس سے منع کیا ہے۔ اتنے میں حضرت عمرؓ بھی روتے ہوئے آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ حضورؐ جس کو ناپسند فرماتے ہیں وہ مجھے عنایت فرماتے ہیں۔ میں کیا کروں؟ میں نے یہ قبا تمہیں پہننے کو نہیں دی بلکہ اس لئے دی ہے کہ فروخت کر کے اپنے مصرف میں لاؤ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے وہ قبا دو ہزار درہم میں فروخت کی۔

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیمتی اور پُر تکلف کپڑا اگر حضور ﷺ کسی ہدیہ بھیجنے والے کا دل رکھنے کیلئے پہن بھی لیتے تھے تو اندر سے ایک بے چینی سی پیدا ہو جاتی تھی اور جب تک اُتار نہ لیتے اطمینان نہ ہوتا۔ اِس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور ﷺ یہ بھی پسند نہ فرماتے تھے کہ مقربین اصحاب اِس قسم کا لباس پہنیں۔

اِس زندگی والے کا کاشانہ نورانی کیسا ہوگا اس کا اندازہ کچھ مشکل نہیں۔ ہم روایات اور ترجمے کی بجائے صرف خلاصہ اشارات پر اکتفا کریں گے۔

حضور ﷺ کا بستر داتنا تھا جو قبر میں بچھایا جا سکے۔ حجرے کا طول ۱۰x۷ ہاتھ یا اِس کے لگ

تنگ تھا۔اونچائی اتنی کہ پلنگ پر کھڑے ہو کر چھت چھولی جائے۔دیواریں کچی،کہیں کہیں کھجور کے تنے کا ستون۔چھت کھجور کے پتوں کی۔دروازہ ایک جس پر کوئی کمبل کا ٹکڑا آویزاں ہوتا۔ جگہ کی بعض اوقات اتنی تنگی محسوس ہوتی کہ حضورﷺ نماز ادا فرماتے تو حضرت عائشہؓ سامنے پاؤں پھیلائے ہوئے لیٹی ہوتیں اور جب حضورﷺ سجدے میں جاتے تو پاؤں سمیٹ لیتیں۔بخاری و مسلم و ترمذی و نسائی کی روایات میں بہ سلسلہ واقعہ ایلا حضرت عمرؓ کا یہ قول ہے کہ:

فرفعت رأسي في البيت فوالله ما رأيت فيه شيئاً يرد البصر الا أهبة ثلثة۔

میں نے کاشانۂ نبوت میں سر اُٹھا کر دیکھا تو خدا کی قسم وہاں تین چیزوں کے سوا اور کوئی سامان نظر نہ آیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ فقیرانہ زندگی اِس لئے تھی کہ سامانِ راحت وعیش نصیب نہ تھا یا اس کی کوئی اور وجہ تھی؟ کون کہہ سکتا ہے کہ جس شاہنشاہ دارین کیلئے ممالک مفتوحہ کے خزائن نے اپنا دہانہ کھول رکھا تھا وہ مفلس تھا؟

وہاں کوئی مجبورانہ افلاس اور بیکسانہ بے مائیگی نہ تھی بلکہ ایک خاص اندازِ زیست تھا۔لیڈر کیلئے ایک معاشی زندگی کا نمونہ تھا اور اُمت کیلئے معاشی تربیت تھی۔حضورﷺ کی خدمت میں دولت و مال کے ڈھیر کے ڈھیر آتے تھے۔لیکن جب تک وہ سب مستحقین میں تقسیم نہ ہو جاتے حضورﷺ کو چین نہ آتا تھا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے کہ:

لو کان عندی مثل احد ذھبا لسرنی ان لا یمر علی ثلاث لیال و عندی منه شئی الا شئی ارصده لدین۔

یعنی اگر میرے پاس اُحد کے برابر بھی سونا ہوتا تو میری مسرت اِس میں ہوتی کہ تین دن

گزرنے سے پہلے میرے لئے اِس میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے۔بس صرف اتنا رہ جائے کہ میں اُسے قرض ادا کرنے کیلئے رکھ لوں۔

یہ صرف زبانی تمنا نہ تھی بلکہ ساری عمر حضورﷺ کا اسی پر عمل بھی رہا۔

بخاری اور نسائی میں عقبہ بن حارث سے روایت ہے کہ:

(ترجمہ) ''میں نے حضورﷺ کے پیچھے نمازِ عصر ادا کی۔سلام پھیرتے ہیں حضورﷺ تیزی کے ساتھ لوگوں کو پھاندتے ہوئے بعض ازواج مطہرات کے حجرے میں تشریف لے گئے۔ لوگوں پر اِس تیز رفتاری کی وجہ سے ایک دہشت سے طاری ہوگئی۔جب حضورﷺ واپس تشریف لائے اور لوگوں کو اِس تیز روی سے دہشت زدہ سا محسوس کیا تو فرمایا کہ مجھے ایک سونے کا ڈلا یاد آ گیا جو میرے پاس تھا مجھے یہ پسند نہ آیا کہ رات تک یہ میرے پاس رکھا ہے۔اِس لئے اِسے تقسیم کرنے کا حکم دے آیا۔

ابوداؤد میں ایک طویل حدیث ہے کہ حضورﷺ کے پاس چار قطاریں غلے اور کپڑے سے لدے ہوئے اونٹوں کی آئیں جو سردار فدک نے بھیجی تھیں۔حضورﷺ نے بلال کو حکم دیا کہ اس سے قرض ادا کرو۔قرض ادا کرنے کے بعد حضورﷺ نے پوچھا کہ کچھ بچ بھی گیا ہے؟ بلالؓ نے عرض کیا کہ ہاں یارسول اللہﷺ!حضورﷺ نے فرمایا کہ اِس سے بھی مجھے نجات دلا کر راحت پہنچاؤ۔یعنی بقیہ کو بھی راہِ خدا میں دے دو۔جب تک یہ باقی رہے گا میں اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔ حضورﷺ نے ایک رات اِسی اِنتظار میں مسجد کے اندر گزاری۔

جب بلالؓ نے یہ خوشخبری دی کہ سب کو ٹھکانے لگا دیا گیا تب حضورﷺ اپنے حجروں میں تشریف لے گئے۔اِس کے بعد بلالؓ کہتے ہیں کہ:

وانما کان یفعل ذلک شفقا من ان یدرکه الموت و عنده ذلک۔

یعنی حضورﷺ کا یہ طرزِ عمل اِس لئے تھا کہ حضورﷺ کو یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ

موت آ جائے اور یہ چیزیں راہ خدا سے دیے جانے سے رہ جائیں۔

احمد اور موصلی کی روایت میں حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے کہ ایک بار حضورﷺ میرے پاس تشریف لائے تو تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں۔ میں نے اِس کی وجہ پوچھی تو حضورﷺ نے فرمایا کہ۔

من اجل الدنانیر السبعة التی اتتنا امس امسینا و لم ننفقها۔

یہ کوفت اِن سات دیناروں کی وجہ سے ہے جو میرے پاس کل سے آئے ہوئے ہیں۔ شام ہو گئی اور اب تک ہم نے اِن کو راہ خدا میں دیا نہیں ہے۔

روایات اور بھی بہت ہیں سب کو پیش کرنا مقصود نہیں۔ دکھانا صرف یہ ہے کہ یہ تھی حضورﷺ کی معاشی زندگی جو درحقیقت ایک عملی تعلیم تھی اِس بات کی کہ جو شخص قیادت کے جتنے اونچے منصب پر ہوا تنا ہی مختصر اس کی زندگی کا معیار ہو۔ مذہبی یا سیاسی لیڈر ہونے کا دعویٰ کرنا اور معیارِ زندگی سب سے اونچا رکھنا ایک ایسا طرزِ عمل ہے جسے اسلام کے مزاجِ معاشی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ خلفائے راشدینؓ کا معیارِ زندگی بھی کسی اُمتی سے اونچا نہ تھا لیکن آج ---؟ اِس کا جواب ہمیں دینے کی ضرورت نہیں۔ آپ ہم سے بہتر جانتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ سیاسی لیڈر اور مذہبی پیشوا دونوں اِس وقت جَمَعَ مَالاً وَعَدَّدَه کی تفسیر عملی بنے ہوئے ہیں اور نام لیتے ہیں اِسلام کا۔

جنت میں واپسی

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

انسان کیلئے دو دعوتیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صلاحیتیں اور برتر شعور عطا فرما کر دوسری مخلوق پر فوقیت بخشی۔ اسے صاحب ارادہ واختیار بنا کر اعمال کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا اور اسی وجہ سے اس کیلئے جزاء وسزا کا انتظام بھی کر رکھا ہے۔ اس خصوصی شرف کی بناء پر اس پر جبری اطاعت کا قانون مسلط نہیں کیا گیا اس کیلئے دعوت کا نظام قائم کیا گیا۔ دراصل یہ انسان کی سوجھ بوجھ اور ذمہ داری کا امتحان ہے کہ آیا وہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر تدبر وتفکر کر کے اور اس کی بے شمار نعمتوں کا احساس کر کے اس کی غلامی میں داخل ہو جاتا ہے یا احسان ناشناس بن کر کفر اور نافرمانی کی راہ پر چل نکلتا ہے۔ اِن دونوں راہوں کیلئے داعی موجود ہیں۔ بنی نوع انسان کو دو اطراف سے بلاوا ملنے کا ذکر قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیات میں کیا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلَى الۡجَنَّةِ وَالۡمَغۡفِرَةِ بِاِذۡنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ۝ (البقرۃ۔221)

''مشرکین تو دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنی مہربانی سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنی آیات لوگوں کیلئے صاف صاف بیان کرتا ہے تا کہ وہ نصیحت پکڑیں''۔

اِنَّ الشَّيۡطٰنَ لَـكُمۡ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوۡهُ عَدُوًّا ؕ اِنَّمَا يَدۡعُوۡا حِزۡبَهٗ لِيَكُوۡنُوۡا مِنۡ اَصۡحٰبِ السَّعِيۡرِ ۝(الفاطر۔6)

''شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو۔ وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تا کہ وہ دوزخ والوں میں ہو جائیں''

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝ لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ

فَتَرَوْلَا ذِلَّةٌ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ٥ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوْا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَالَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ كَاَنَّمَا اُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥ (یونس۔25 تا 27)

''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید برآں اور بھی۔ اور ان کے موںہوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی۔ یہی جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جنہوں نے برے کام کئے تو برائی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا اور ان کے موںہوں پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا ان کے موںہوں کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ ان پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھا دیئے گئے ہیں۔ یہی دوزخی ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے''

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ٥ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ٥ (الاحزاب 45۔46)

''اے نبی ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن''۔

قرآنی ہدایت

اللہ تعالیٰ نے حضور رحمت للعالمین ﷺ پر اپنی آخری کتاب قرآن کریم نازل فرمائی جس میں دلوں کیلئے شفا، ہدایت، رحمت اور نور کی نعمتیں اپنے کمال کو پہنچی ہوئی ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کیلئے کامل ہدایت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے شان نزول اور اہمیت کا اظہار دین کی مرکزی حقیقت کے اعتبار سے فرماتے ہوئے بتایا کہ یہ عظیم نعمت اسی لئے اُتاری گئی تا کہ نوعِ بشر اس کی برکت سے عذاب جہنم سے بچ جائے اور منزل مراد حاصل کرلے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ٥ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ

وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍo (المائدہ15۔16)

''بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو سلامتی کے راستے دکھاتا ہے اور اپنی رحمت سے انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا ہے اور انہیں سیدھے راستے پر چلاتا ہے''۔

اِنَّ الَّذِىْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ قُلْ رَّبِّىْ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَمَنْ هُوَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍo (القصص۔85)

''تحقیق اللہ نے آپ پر قرآن اس لئے فرض کیا تا کہ آپ کو بازگشت کی جگہ یعنی جنت میں واپس لوٹادے۔آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور اس کو بھی جو صریح گمراہی میں ہے''۔

الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِo اللّٰهِ الَّذِىْ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ o الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍo (ابراہیم 1سے3)

''یہ کتاب ہم نے آپ پر اس لئے نازل کی کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں انکے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف کے راستے کی طرف۔وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور کافروں کے لئے عذاب سخت کی وجہ سے خرابی ہے جو آخرت کی نسبت دنیا کو پسند کرتے اور اللہ کے راستے سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔یہ لوگ پرلے سرے کی گمراہی میں ہیں''

اِنَّ الْقُرْاٰنَ يَهْدِىْ لِلَّتِىْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًاo وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًاo (بنی اسرائیل 10,9)

''یہ قرآن وہ راستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں

بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے اجر عظیم ہے اور یہ بھی کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے ہم نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے"

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو پوری دنیا کے انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اس لئے آپ کا پیام کسی خاص نسل، قوم یا ملک کے باشندوں کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک آنے والے تمام بنی نوع آدم کے لئے ہے۔ آپ نے پوری انسانیت کو عذاب آخرت سے بچنے کی دعوت دی۔ قرآن کریم کی عالمگیر دعوت ملاحظہ فرمائیں کہ کس انداز سے تمام انسانوں کو مخاطب کیا جا رہا ہے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُo (لقمان۔33)

"لوگو اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آ سکے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آ سکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے"۔

آگ سے بچنا اور دوسروں کو بچانا

اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ﷺ پر جو کتاب اُتاری گئی وہ پوری انسانیت کیلئے ہے۔ ہر اس شخص کیلئے اس میں نور وہدایت کا سامان ہے جسے حق کی تلاش ہو۔ یہ کتاب صرف مسلمانوں سے مخاطب نہیں ہوتی بلکہ تمام انسانوں کو مسلمان یعنی اللہ کے مطیع اور تابع فرمان بندے بننے کی دعوت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس انسان کو ایمان کی دولت عطا کر دیتا ہے اس پر یہ فرض بھی عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ساتھی انسانوں کو بھی جہنم کی آگ میں گرنے سے بچائے۔ جو انسان نور ہدایت سے محروم ہوتا ہے اس کی مثال ایک اندھے کی طرح ہے جو بڑی بے فکری سے اس راہ پر چلا جا رہا ہے جو اسے کسی گہرے گڑھے میں پہنچانے والی ہو۔ ہمارے سامنے اگر بینائی سے محروم کوئی شخص کسی گڑھے یا کنویں کے نزدیک پہنچ چکا ہو تو ہم میں سے ہر شخص جس میں انسانیت کی ذرا سی بھی رمق موجود ہو وہ اسے خبردار کئے بغیر

نہیں رہ سکتا۔ اگر پکارنے پر بھی وہ نہ رُکے تو سارے کام چھوڑ کر دوڑ پڑے گا۔ تا کہ اِسے مہلک انجام سے بچا لے۔ دین کی تبلیغ کا کام بھی اسی جذبہ کے ساتھ سرانجام دیا جانا چاہئے تا کہ احسن تقویم اور بہترین صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہوا انسان اللہ کے غضب سے بچ جائے اگرچہ بظاہر وہ کتنا ہی بگڑا ہوا کیوں نہ ہو سونے کا کوئی ٹکڑا یا زیور کسی گندگی میں گرا ہوا ہمیں نظر آ جائے تو ہم سونے کی قدر و قیمت کے پیش نظر گندگی سے صرف نظر کرتے ہوئے اسے فوراً اُٹھا لیتے ہیں۔ انسان کے مقام کے ساتھ تو سونے کی کوئی نسبت ہی نہیں اس لئے انسان کی اصلاح مقدس ترین کام ہے اور ہر مومن کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے۔ بقول شاعر۔

اگر بینم کہ نابینا وچاہ ہست
اگر خاموش بنشینم گناہ است

اگر میں یہ دیکھوں کہ کوئی اندھا کنویں کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو اس صورت حال میں میرا خاموش بیٹھے رہنا گناہ ہے۔ پیچھے بیان کی گئی قرآنی آیات سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ دعوت دین کا اولین اور بنیادی مقصد ہی یہ ہے کہ بنی نوع انسان کو جہنم کی آگ سے بچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو یاد دلاتے ہیں کہ تم خود بھی گمراہ تھے لیکن ہمارے فضل نے تمہاری دستگیری کی۔ اس لئے اس پر غرور ہرگز نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ شکر کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ تم میری مخلوق کو میری طرف رجوع کرنے کی دعوت دو۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا (ال عمران۔103)

''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا''

بنی نوع انسان کی حقیقی فلاح اور خدمت یہی ہے کہ انہیں عذاب جہنم سے بچا لیا جائے شریعت حقہ کی تعلیم میں یہی تلقین کی گئی ہے کہ اگر تم اکیلے ہو تو اپنے گھر والوں، ساتھیوں اور پڑوسیوں کو حسب مقدور ظلم سے روکو اور اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دو۔ اگر پورا ملک مسلمانوں کا ہے تو وہ اپنے پڑوسی ملکوں کے عوام و خواص کو اللہ کی ربوبیت اور الوہیت تسلیم کرنے کی دعوت دیں۔ اگر ہم من حیث القوم انسانیت کے بے لوث خادم بن کر محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ خدمت سرانجام دیں تو اللہ تعالیٰ انعام کے طور پر اقوام عالم کی قیادت و سیادت بھی ہمیں عطا فرما

دیں گے۔ اللہ کے دین کا اصلاحی کام انہی بنیادوں پر آگے بڑھتا ہے کہ پہلے تو اہل ایمان کی ایک جماعت تیار کی جائے جس کے ہر فرد کے دل میں اللہ کی رضا کی جستجو موجزن ہو اور عزت و اکرام کا معیار تقویٰ قرار پائے نہ کہ دولت وثروت پھر اللہ والوں کی اس جماعت کی امارت **اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ** کے اصول کے مطابق اس شخص کے سپرد کی جائے جو ان میں سے سب سے زیادہ متقی ہو۔ اس طرح وجود میں آنے والی خیر الامت یعنی بہترین قوم ہی انسانیت کیلئے رحمت بن کر کرۂ ارض کو عدل وانصاف سے بھر سکتی ہے۔ یہ گوہر مقصود مروجہ سیاست کی ڈگر پر چلنے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا جس میں موقع پرست، دروغ گو اور چرب زبان لیڈر اللہ تعالیٰ کی بھولی بھالی مخلوق کو دھوکہ دیتے اور دھن، دھونس اور دھاندلی کے بل بوتے پر ان کے سروں پر مسلط ہو جاتے اور دونوں ہاتھوں سے قومی دولت لوٹتے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ان انسان نما شیطانوں کے کرتوت ظاہر کرنے کے لئے اپنے کلام میں ابلیس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ التجا کروائی کہ اب زمین پر میری ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ انسانوں کو گمراہ کرنے کا کام اہل سیاست نے سنبھال لیا ہے۔ حکیم الامتؒ نے اُمت مسلمہ کو راہ راست دکھاتے ہوئے فرمایا۔

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کا اک ثمر
ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

حضور ختم الرسل ﷺ نے وحی الٰہی کے مطابق انسانوں کو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لا کر تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی تا کہ وہ جہنم میں لے جانے والے اعمال سے دور رہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا والے اعمال اختیار کر کے جنت میں داخل ہونے کے اہل بن جائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میری مثال اس شخص کی ہے جس نے رات کے وقت جنگل میں آگ روشن کی تو کیڑے اور پتنگے اس پر لپکنے لگے۔ اس کے روکنے کی ہزار کوشش کے باوجود بھی وہ اس میں گرے پڑتے ہیں۔ میں بھی انسانوں کو پکڑ پکڑ کر جہنم کی آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن وہ ہیں کہ پھر

بھی اس میں گھسنے کیلئے زور لگاتے ہیں۔ دوزخ کی آگ سے بچنے کی اتنی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ دُعا خود تلقین فرمائی۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

''اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی اچھائی عطا فرمائیں اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا لیجئے''۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی یہ حکم فرمایا ہے کہ اپنے آس پاس اور اردگرد بسنے والے دوسرے انسانوں کو بھی جہنم کی آگ سے بچانے کیلئے پوری جد وجہد کریں کیونکہ اس سے بڑی انسانیت کی اور کوئی خدمت نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (التحریم۔6)

''اے ایمان والو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں۔ جو اللہ کے ارشاد کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم انکو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں''۔

اِس آیت مبارکہ میں اللہ علیم وخبیر نے اہل بیت نہیں فرمایا تا کہ اصلاح کا دائرہ اہل وعیال اور اقربا تک محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ اہل ایمان کو یہ دعوت اہل محلّہ، اہل شہر اور اہل ملک کی حدود پار کر کے اہل عالم تک پہنچانے کا منصب عطا ہوا ہے۔ یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ سب سے پہلے جس انسان کو دوزخ سے بچانے کیلئے حکم دیا گیا ہے وہ ہماری اپنی ذات ہے۔ اگر ہم مسلمان کہلوانے والے اس آیت کے صرف پہلے جزو پر عمل کر کے دکھائیں اور خود پکے سچے باکردار مومن بن جائیں تو عالمی اسلامی انقلاب کی راہ ہموار ہو جائے۔ پھر یہ دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اسم محمد ﷺ کا اُجالا پورے عالم میں پھیل جائے۔

فلاح انسانیت کا دستور

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر اُمت مسلمہ

کو کفار اور اہل کتاب کی دوستی اور ان کے طور طریقوں پر عمل کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ تاکید کی ہے کہ میرے رسولؐ کی اطاعت و اتباع کرتے ہوئے میری بندگی کی راہ پر چلتے رہو کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ میری محبت کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور گروہوں میں نہ بٹ جانا ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اس وقت تم دنیا کی بہترین قوم ہو۔ جس طرح میرے رسول ﷺ نے میرا دین تم تک پہنچایا اور اپنی زندگی سے اس کی عملی تفسیر کا نمونہ پیش کیا ہے۔ اسی طرح یہ دین پوری دنیا کے انسانوں تک پہنچانے کیلئے تمہیں اُمت وسطیٰ کا کردار ادا کرنا ہے۔ تم اللہ تعالیٰ کے دین رحمت کے علمبردار اور اس کے آخری رسول احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کے خلق عظیم کی حامل اور انسانیت کی خادم آخری قوم ہو جسے اسی لئے تیار کیا گیا ہے کہ بنی نوع انسان کو آگ میں گرنے سے بچاؤ۔ بھلائیوں کو فروغ دو اور برائیوں کو روک دو۔ تم صلوٰۃ و زکوٰۃ کے پابند رہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی محبت کا دامن تھامے رہو گے اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کے کام میں اللہ تعالیٰ کے مددگار بنے رہو گے تو اللہ بھی تمہاری مدد کرتا رہے گا۔ جب تک اللہ کی مدد تمہارے شامل حال رہے گی دنیا کی کوئی قوم نہ تو تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکے گی اور نہ ہی تم پر کوئی ملک غالب آ سکے گا۔ قرآن کریم میں ایک مقام پر مسلسل بارہ آیات میں اہل ایمان کیلئے ایک ایسا لائحہ عمل دے دیا گیا ہے جو ہر دور میں اُمت مسلمہ کو راہنمائی مہیا کرتا رہے گا۔ نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ راہنما اور بنیادی اصولوں کی حامل ان آیات بینات کا سلیس ترجمہ یہاں درج کر دیا جائے۔

(1) اے ایمان والو اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔

(2) اور تم کفر کیونکر کرو گے جب کہ تمہیں اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔ جو اللہ کا دامن تھام لیتا ہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا ہو گئی۔

(3) اے ایمان والو اللہ کیلئے تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ اس کے تقوے کا حق ہے اور تمہیں موت نہیں آنی چاہئے مگر مسلمان کی حیثیت سے۔

(4) تم سب مل کر اللہ کے دامن کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہو جانا۔ اللہ نے تم پر جو

نعمت فرمائی اسے یادرکھو۔تم تو ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ نے تم کو اس سے بچالیا۔اس طرح اللہ تمہیں اپنی آیات کھول کھول کر سناتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

(5) اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔

(6) اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے۔یہ وہ لوگ ہیں جن کو عذاب عظیم ہوگا۔

(7) قیامت کے دن کچھ چہرے سفید اور کچھ چہرے سیاہ ہونگے۔جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہونگے ان سے اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔کیا تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے؟ سواب اس کفر کے بدلے عذاب چکھو۔

(8) اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہونگے وہ اللہ کی رحمت کے باغوں میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

(9) یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ اہل عالم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا۔

(10) اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور سب کام فیصلہ کرنے کے لئے اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔

(11) تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کیلئے تیار کیا گیا ہے۔تم بھلائی کے کام کرنے کو کہتے ہو اور ضرر رساں کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو اُن کیلئے اچھا ہوتا۔ان میں کچھ ایمان والے بھی ہیں لیکن اکثر نافرمان ہیں۔

(12) یہ اہل کتاب تمہیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔پھر کہیں سے مدد نہ کئے جائیں گے۔

(آل عمران 100تا111)

صحابہ کرامؓ نے قرآن حکیم کی تعلیم پر حضور سرور کائنات ﷺ کے اسوہ حسنہ کی روشنی میں عمل

کیا تو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے زندگی کے ہر شعبے میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔اللہ تعالیٰ کی تائیدو نصرت کے وعدے دائمی اور سچے ہیں۔اس کی سچی کتاب ہمارے پاس موجود اور اس کے سچے رسول ﷺ کی حیات طیبہ کا لحظہ لحظہ محفوظ ہے۔ اگر ہم خواب غفلت سے بیدار ہو کر اللہ تعالیٰ کا دامن مضبوطی سے تھام لیں اور اپنی زندگیوں کو اسوہ رسول ﷺ کے سانچے میں ڈھال لیں تو اللہ کی رحمت سے اُمید کامل ہے کہ وہ پھر سے ہمیں اپنی نصرت سے نواز دے اور اُمت مسلمہ کو اس کا کھویا ہوا مقام دوبارہ عطا کر کے اقوام عالم کی سیادت اس کے سپرد کر دے۔اوپر دی گئی آیات میں عالمگیر اصلاحی مشن کی بنیاد اللہ کی بندگی، مودت و محبت، مساوات و اخوت اور احترام آدمیت پر رکھی گئی ہے۔اقامت الصلوٰۃ اور ادائیگی زکوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نظام نافذ کرنے کی راہ سجھائی گئی ہے۔اس طرح بتدریج پوری انسانیت کو نظام رحمت کے تحت لایا جائے جس میں ہر انسان کیلئے بنیادی ضروریات کی فراہمی، جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت اور اپنے عقیدہ پر عمل کی آزادی کی ضمانت ہو۔ایسے مثالی، عالمگیر امن کے داعی اور فلاح انسانیت کے ضامن نظام کی مخالفت صرف وہی قوم کرے گی جس کی بقاء کا انحصار کمزوروں کے استحصال اور مجبوروں کا خون چوسنے پر ہو گا۔ایسی آدم آزار قوم کا وجود انسانیت کیلئے ناسور کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کی قوت کو توڑنا ہر لحاظ سے بنی نوع انسان کے دکھوں کا مداوا کرنا ہے۔اس کیلئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دے رکھا ہے کہ اس قدر قوت کا سامان اور مواصلات کے ذرائع تیار رکھو کہ تمہارے دشمنوں پر تمہاری ہیبت طاری رہے۔اگر اولیاء الشیطان پر مشتمل کسی بدطینت قوم نے تمہارے ساتھ جنگ کرنے کا خطرہ مول لیا تو اس کا مقدر شکست ہی ہو گی۔تمہاری جنگ ہوس ملک گیری اور حب جاہ و مال کا شاخسانہ نہیں بلکہ میری راہ میں میری رضا کی خاطر جہاد ہے۔تم انسانوں کو اپنا غلام بنانے کیلئے نہیں بلکہ انہیں ہر نوع کی غلامی سے آزادی دلانے کیلئے جنگ کرتے ہو اس لئے میری تائید و نصرت تمہارے ساتھ ہو گی۔

(جاری ہے)

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص۔ شہسوارِ اسلام

طالب الہاشمی

(بقیہ حصہ)

"تم بھوکے ننگے لوگ ہمارے ملک کو لوٹنا چاہتے ہو۔ میں تمہارے لئے اتنا کر سکتا ہوں کہ تمہارے اونٹوں پر غلہ اور چھوہارے لادوں اور عرب پر ایسا حاکم مقرر کردوں جو تم لوگوں کی آسائش کا خیال رکھے۔ اِس کے علاوہ اگر تم کچھ چاہتے ہو تو ذلت اور نامرادی کی موت کے سوا کچھ نہ ملے گا"۔

اِس کے جواب میں سفارت کے ایک رُکن حضرت قیسؓ بن زرارہ نے آگے بڑھ کر کہا:

"اے بادشاہ ہم سب شرفائے عرب ہیں تمہاری اہانت آمیز باتیں اس قابل ہیں کہ ان کا جواب دیا جائے تاہم سن لو کہ ہم واقعی خدا کی بدترین مخلوق تھے لیکن اللہ نے ہم پر اپنا فضل کیا اور ہمارے درمیان ایک پیغمبر بھیجا جس نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھایا، اگر تم بھی یہ ہدایت قبول کرلو تو ہمارے بھائی بن جاؤ گے ورنہ جزیہ یا تلوار ایک چیز تمہیں قبول کرنی ہوگی"۔

اب یزدگرد کا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا، اس نے خاک دھول منگوا کر مسلمانوں کے آگے پھینک دی اور کڑک کر کہا، "تمہیں یہ خاک ملے گی خاک۔ اِس کو اُٹھاؤ اور یہاں سے نکل جاؤ"۔

حضرت عاصمؓ بن عمرو نے مٹی اپنی چادر میں ڈال لی اور دوسرے ارکانِ سفارت کے ساتھ شاداں و فرحاں حضرت سعدؓ کی خدمت میں واپس گئے۔ انہوں نے حضرت سعدؓ کو مبارک باد دی کہ اے امیر دشمن نے خود اپنی زمین ہم کو دے دی ہے، اِنشاءاللہ اب ہم ضرور سرزمین ایران پر قابض ہوں گے۔

اُدھر اِس سفارت کے آنے سے پہلے ہی یزدگرد کا سپہ سالار رُستم ایک جرار لشکر کے ساتھ ساباط پہنچ چکا تھا۔ سفارت کے مدائن سے جاتے ہی یزدگرد نے رُستم کو حکم بھیجا کہ ساباط سے چل کر قادسیہ پہنچو اور مسلمانوں کو پیس ڈالو۔ یہ حکم ملتے ہی رُستم نے ایک لاکھ اسی ہزار فوج اور تین سو

جنگی ہاتھیوں کے ساتھ ساباط سے قادسیہ کی طرف اس شان سے کوچ کیا کہ اس کی فوج کا ایک ایک سپاہی زرہ پوش تھا۔ خیمے زری اور بادلے کے تھے جن کو دیکھ کر نگاہیں خیرہ ہوتی تھیں۔ جنگی ہاتھیوں کے قدم کی دھمک سے زمین کانپ کانپ جاتی تھی۔ خود رُستم کا تخت سونے کا تھا جس پر سنہری چتر سایہ کیے ہوئے تھا۔ غرض اس شان وشوکت سے رُستم قادسیہ کے سامنے عتیق کے مقام پر خیمہ زن ہوا، وہ ایک تجربہ کار جرنیل تھا اور مسلمانوں کے جوش جہاد کا بخوبی اندازہ کر چکا تھا اس لئے وہ اپنی زبردست عسکری قوت کے باوجود چاہتا تھا کہ لڑائی ٹل جائے۔ چنانچہ اس نے حضرت سعدؓ کو پیغام بھیجا کہ اپنا کوئی معتمد میرے پاس صلح کیلئے بھیجو۔ حضرت سعدؓ نے اس کی خواہش پر تین چار سفارتیں روانہ کیں لیکن صلح کی بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ مسلمان سفیروں کی صاف سادہ اور دو ٹوک باتوں نے رُستم کو شعلہ جوالہ بنادیا اور آخری سفارت کو اس نے یہ اعلان کر کے رُخصت کر دیا کہ کل ہم مسلمانوں کو کچل ڈالیں گے۔

دوسرے دن رُستم بڑے جاہ وجلال کے ساتھ دریائے عفرات سے پار اُترا اور مسلمانوں کے سامنے صف آرائی کی۔ اس وقت دو لاکھ جنگجو اس کے جھنڈے تلے جمع تھے۔ دوسری طرف اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی لیکن مسلمانوں کے جوش جہاد کا یہ عالم تھا کہ صفوں سے نکلے پڑتے تھے۔ بدقسمتی سے اس نازک موقع پر حضرت سعدؓ ایک مرض کی وجہ سے لڑائی میں بذات خود شریک ہونے سے معذور ہو گئے۔ یہ مرض کیا تھا؟ بعض نے لکھا ہے کہ وہ عرق النساء میں مبتلا تھے اور بعض کا بیان ہے کہ ان کی رانوں میں دنبل کے پھوڑے نکلے ہوئے تھے اس لئے گھوڑے پر سوار نہیں ہو سکتے تھے اور پیدل چلنا پھرنا بھی دشوار تھا۔ اس معذوری کے باوجود انہوں نے ارادہ کرلیا کہ اپنی فوج کو خود لڑائیں گے۔ میدانِ جنگ کے قریب ہی زمانہ قدیم کا ایک محل تھا وہ اس کی دوسری منزل میں تکیہ کے سہارے اس طرح بیٹھ گئے کہ سارا میدانِ جنگ نظروں کے سامنے تھا۔ اب انہوں نے فوج کے ایک افسر خالدؓ بن عرفطہ کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا: ”خالد تم میری حالت دیکھ رہے ہو کہ بمشکل حرکت کر سکتا ہوں، دشمن سر پر آ پہنچا ہے اور لڑائی کو ٹالنا ممکن نہیں۔ میدانِ جنگ میں تم میری نیابت کرو گے۔ وقفہ وقفہ کے بعد میں کاغذ کے پرزوں پر

ہدایات لکھ کر تمہاری طرف بھیجتا رہوں گا انہی کے مطابق فوج کو لڑانا۔'' اس کے ساتھ ہی انہوں نے فوج کے علمبر داروں کو پیغام بھیجا کہ ''میں اس وقت بیماری کی وجہ سے لڑائی میں عملی حصہ نہیں لے سکتا۔ خالدؓ بن عرطفہ کو میں نے اپنا نائب مقرر کیا ہے اس کے حکم کو میرا حکم سمجھو اور اس کی اطاعت کرو''۔ حضرت سعدؓ کا حکم مجاہدین کو سنایا گیا تو سب نے سر تسلیم خم کر دیا۔

لڑائی کے آغاز سے پہلے ایک طرف رُستم اور دوسرے ایرانی امراء اپنے لشکر کا جذبہ قومی ابھار رہے تھے تو دوسری طرف عرب کے مشہور شعراء و خطباء تمام لشکر اسلام میں پھیل گئے تھے اور اپنی رجز خوانی سے مجاہدین میں ہیجان برپا کر دیا تھا ساتھ ہی قاریوں نے خوش الحانی سے سورہ انفال کی تلاوت شروع کر دی تھی جس کی تاثیر نے دلوں کو گرما دیا تھا اور ہر مسلمان شوقِ شہادت سے بے تاب ہو گیا تھا۔

ایرانیوں نے سب سے پہلے اپنے جنگی ہاتھیوں کو مسلمانوں کی طرف دھکیلا۔ ہاتھیوں کی خوفناک یلغار کو قبیلہ بجیلہ کے جانبازوں نے روکا۔ بہت سے بجلی مجاہدین جانوں پر کھیل گئے لیکن یلغار نہ رُک سکی۔ حضرت سعدؓ نے یہ کیفیت دیکھ کر بنو اسد کو حکم بھیجا کہ بنو بجیلہ کی مدد کیلئے پہنچو۔ بنو اسد مردانہ وار ہاتھیوں کی طرف بڑھے لیکن وحشی ہاتھیوں نے انہیں بھی پیچھے دھکیل دیا۔ اب حضرت سعدؓ نے بنو تمیم کو، جو نیزہ بازی اور قدر اندازی میں بے پناہ مہارت رکھتے تھے، پیغام بھیجا کہ اے بنی تمیم آج تمہارے کمالِ فن کا مظاہرہ ہے آگے بڑھ کر اپنے بھائیوں کی مدد کو پہنچو۔ بنو تمیم نے تکبیر کا نعرہ لگا کر اس جوش سے حملہ کیا کہ ہاتھیوں کے منہ پھیر دیئے اور ان کے سواروں کو اپنے نیزوں اور تیروں سے نیچے گرا دیا۔ اب دونوں فوجوں کے درمیان اِس گھمسان کی جنگ ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مشہور مرثیہ گو صحابیہ حضرت خنساءؓ بھی اپنے چار فرزندوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لینے قادسیہ آئی تھیں، جس وقت لڑائی کا تنور پوری طرح گرم ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ ''میرے بچو جاؤ اور آخری دم تک راہِ حق میں لڑو''۔ ماں کا حکم سنتے ہی چاروں بھائی گھوڑوں کی باگیں اُٹھائے رجز پڑھتے ہوئے میدانِ جنگ میں کود پڑے اور نہایت بے جگری سے لڑتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ حضرت خنساءؓ نے ان کی شہادت کی خبر سنی

تو فرمایا:۔

"خدا کا شکر ہے کہ میرے فرزندوں نے میدانِ جنگ سے پیٹھ نہیں پھیری اور اللہ نے ان کی شہادت کا شرف مجھے بخشا۔ اِس ذاتِ رحیم سے اُمید ہے کہ وہ اپنی رحمت کے سائے میں میرے بچوں کے ساتھ مجھے بھی جگہ دے گا"۔

اِسی طرح اور بھی بہت سے مجاہدین نے شوقِ شہادت کی حیرت انگیز مثالیں پیش کیں۔ رات کی تاریکی جب گہری ہوگئی تو دونوں لشکر زخموں سے چُور چُور ایک دوسرے سے جُدا ہوئے۔ قادسیہ کی جنگ کا یہ پہلا دن یوم الارماث کہلاتا ہے اس دن پانچ اور چھ سو کے درمیان مسلمان شہید ہوئے اور ہزارہا ایرانی ہلاک ہوئے۔

دوسرے دن طبل جنگ پر چوٹ پڑی ہی تھی کہ حضرت قعقاعؓ بن عمرو تمیمی شام سے ایک ہزار جانبازوں کے ساتھ پہنچ گئے۔ انہیں حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح نے حضرت سعدؓ کی مدد کیلئے بھیجا تھا۔ اِس کمک کے پہنچ جانے سے مسلمانوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ معرکہ کارزار گرم ہوا تو پہلے دن کی طرح ہاتھیوں نے پھر مسلمانوں پر قیامت ڈھا دی۔ حضرت قعقاعؓ نے اِس مصیبت کے تدارک کیلئے یہ تجویز سوچی کہ اونٹوں پر بڑی بڑی جھولیں ڈال کر انہیں بھی ہاتھیوں کی طرح مہیب بنا دیا۔ ایرانیوں کے گھوڑے انہیں دیکھ دیکھ کر دبکتے اور مسلمان ان کے سواروں کو اپنے نیزوں پر رکھ لیتے۔ رُستم نے اب پیدل فوجوں کو سواروں کی مدد کیلئے آگے بڑھایا۔ یہ فوجیں آندھی اور طوفان کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہوئیں۔ مسلمانوں نے بڑی ہمت سے اِس طوفانی حملے کو روکا لیکن مشکل یہ تھی کہ مدائن سے ایرانی فوجوں کو برابر تازہ کمک پہنچ رہی تھی۔ عین اِس موقع پر حضرت ہاشمؓ بن عتبہ پانچ ہزار جوانوں کی امدادی فوج کے ساتھ شام سے قادسیہ پہنچ گئے۔ اِس تائیدِ غیبی نے مسلمانوں کے حوصلے دوچند کر دیئے لیکن ایرانیوں کا ٹڈی دل کسی طرح کم ہونے میں نہیں آتا تھا۔ اِس وقت ایک عجیب واقعہ ہوا۔ قبیلہ بنو ثقیف کے نامور بہادر ابو محجنؓ شراب نوشی کے جرم میں حضرت سعدؓ کی اقامت گاہ کے قریب دست و پابستہ ایک کوٹھڑی میں مقید تھے۔ وہ قید خانے کے سوراخوں سے لڑائی کا منظر دیکھ کر سخت بے قرار ہو رہے تھے اور جوش

شجاعت میں اپنے ہونٹ بار بار دانتوں میں دباتے تھے۔حضرت سعدؓ کی اہلیہ سلمیٰؓ قریب ہی تھیں، ان سے التجا کی کہ اس وقت مجھے چھوڑ دو شہید ہو گیا تو بہتر ورنہ خود ہی آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰؓ نے حضرت سعدؓ کے عتاب کے ڈر سے انکار کر دیا۔ان کے انکار پر حضرت ابو مِحجنؓ سخت شکستہ خاطر ہوئے اور جہاد سے اپنی محرومی پر نہایت دردانگیز اشعار پڑھنے لگے۔یہ اشعار سن کر سلمیٰؓ کا دل پسیج گیا اور انہوں نے ابو مِحجنؓ کو نہ صرف رہا کر دیا بلکہ گھوڑا اور ہتھیار بھی دے دیئے۔ابو مِحجنؓ منہ سر پر کپڑا لپیٹ کر گھوڑا دوڑاتے دشمن کی صفوں پر بجلی کی طرح گرے اور انہیں درہم برہم کر دیا۔ان کے جوش اور وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ کبھی میدانِ جنگ کے ایک کنارے پر ہوتے اور کبھی دوسرے پر۔مسلمان حیران تھے کہ معلوم نہیں یہ نقاب پوش کون ہے؟ شاید خدا نے مسلمانوں کی مدد کیلئے کوئی فرشتہ نازل کیا ہے۔خود حضرت سعدؓ ابو مِحجنؓ کی بہادری دیکھ کر تعجب کر رہے تھے کہ اس بہادر کے لڑنے کا انداز تو ابو مِحجنؓ کا ہے لیکن وہ تو اس وقت قید میں ہے۔شام تک میدانِ رزم گرم رہا۔جب اندھیرا گہرا ہوا اور دونوں فوجیں اپنی اپنی قیام گاہوں کو لوٹیں تو حضرت ابو مِحجنؓ نے بھی واپس آ کر اپنی بیڑیاں خود ہی پہن لیں۔

حضرت سعدؓ بالاخانے سے نیچے اُترے اور سلمیٰؓ کو جنگ کے حالات بتاتے ہوئے فرمایا، ''آج اللہ نے میدانِ جنگ میں ایک عجیب شخص کو بھیج دیا جس نے منہ پر نقاب ڈال رکھا تھا اور ابلق گھوڑے پر سوار تھا۔اس نے دشمنوں کا منہ پھیر دیا۔اگر میں نے ابو مِحجنؓ کو قید میں نہ ڈالا ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہی ہے''۔

یہ سن کر سلمیٰؓ نے سارا قصہ بلا کم و کاست عرض کر دیا۔حضرت سعدؓ بے حد متاثر ہوئے اور چشم پُر آب ہو کر فرمایا، ''خدا کی قسم میں ایسے مجاہد کو قید میں نہیں رکھ سکتا''۔یہ کہہ کر فوراً ابو مِحجنؓ کو رہا کر دیا۔وہ بھی مردِ مومن تھے، رہا ہوتے ہی حضرت سعدؓ سے کہا، ''اے امیر حد کا خوف مجھے شراب نوشی سے باز نہ رکھ سکا لیکن آج میں خدا کے خوف سے عہد کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا''۔

جنگ قادسیہ کا دوسرا دن یوم الاغواث کہلاتا ہے۔اس دن دس ہزار ایرانی مقتول ہوئے اور دو

ہزار مسلمانوں نے جامِ شہادت پیا۔

تیسرے دن پھر علی الصباح دونوں فوجیں پھر ایک دوسری سے گتھ گئیں۔ حضرت سعدؓ نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ آج لڑائی کا فیصلہ کر کے رہیں گے۔ چنانچہ ان کی ہدایات کے مطابق مسلمان بڑھ چڑھ کر ایرانیوں پر نہایت تندوتیز حملے کر رہے تھے لیکن یوم الارماث کی طرح آج بھی ایرانیوں کے ہاتھیوں نے بڑی تباہی مچائی اور مسلمانوں کو فیصلہ کن ضرب لگانے سے باز رکھا۔ دو کوہ پیکر ہاتھی ایک سفید اور ایک چتکبرا جو سب ہاتھیوں کے سردار تھے اور بڑی آفت ڈھا رہے تھے۔ حضرت سعدؓ نے بنو تمیم کو پیغام بھیجا کہ تم سفید ہاتھی کو نرغے میں لے کر اس کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کردو۔ ایسا ہی پیغام انہوں نے چتکبرے ہاتھی کے بارے میں بنو اسد کے جاں باز دوں حمال اور ربیل کو بھیجا۔ تمیمی سرفروش حضرت سعدؓ کا پیغام ملتے پر سفید ہاتھی پر حملہ آور ہوئے۔ یہ سفید ہاتھی سدھایا ہوا تھا جو مجاہد اس کی طرف بڑھتا اسے اپنی سونڈ میں لپیٹ کر پاؤں کے نیچے مسل کر شہید کر دیتا۔ اس طرح کئی مجاہدوں نے یکے بعد دیگر جامِ شہادت پیا۔ آخر قعقاعؓ اور عاصمؓ اس ہاتھی کی طرف بڑھے اور نہایت پھرتی سے اس کی سونڈ کاٹ ڈالی اور آنکھیں بیکار کر دیں۔ دوسری طرف چتکبرے ہاتھی کا بھی حمال اور ربیل کے ہاتھوں یہی حشر ہوا۔ دونوں ہاتھی درد کی شدت سے چنگھاڑیں مارتے ہوئے پیچھے کی طرف بھاگے تو دوسرے ہاتھی بھی ان کے پیچھے ہو لئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں کی مصیبت سے مسلمانوں کو نجات دی۔ اب شام ہو چکی تھی لیکن حضرت حضرت سعدؓ لڑائی کا فیصلہ کرنے پر تلے ہوئے تھے انہوں نے اپنی فوج کو از سرِ نو مرتب کیا اور پھر سے ایرانیوں پر ایسا جان توڑ حملہ کیا کہ ان کے قدم اُکھڑ گئے۔ حضرت قعقاعؓ، عاصمؓ، عمروؓ بن معدی کرب، قیسؓ بن اشعث اور ان کے جانباز ساتھیوں نے ایرانیوں کے قلب لشکر کو اُلٹ ڈالا اور رُستم کے تخت تک پہنچ گئے۔ رُستم کے زرہ پوش حفاظتی دستے نے شدید مزاحمت کی لیکن مسلمان سرفروشوں نے اس کے پرخچے اُڑا دیئے۔ رُستم شدید زخمی ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور دریا میں چھلانگ لگا دی۔ ہلال بن علقمہ نامی ایک مجاہد نے اس کی ٹانگ پکڑ کر باہر گھسیٹ لیا اور اس کا سر کاٹ لیا۔ پھر وہ رُستم کے تخت پر چڑھ گئے اور زور سے پکارے "میں نے

رُستم کو قتل کر دیا ہے"۔اِس آواز کو سنتے ہی ایرانیوں کے ہوش وحواس جاتے رہے اور وہ بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہوگئے۔جس رات کو یہ خون ریز معرکہ سر ہوا اسے "لیلۃ الہریر" کہتے ہیں۔ اِس سے پہلا یعنی جنگ کا تیسرا دن یوم العماس کہلاتا ہے۔اِس لڑائی میں تیس ہزار ایرانی ہلاک ہوئے اور انہیں ایسی عبرتناک شکست ہوئی کہ تختِ کسریٰ کی بنیادیں ہل گئیں۔ایرانیوں کا قومی پرچم "درفشِ کاویانی" بھی اِسی جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا اور مالِ غنیمت کا تو کوئی شمار ہی نہ تھا۔مسلمان شہدا کی مجموعی تعداد آٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔

قادسیہ کی عظیم الشان فتح کے بعد حضرت سعدؓ نے بابل تک ایرانیوں کا تعاقب کیا اور آس پاس کے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ایران کا پایہ تخت مدائن یہاں سے قریب ہی تھا۔حضرت عمرؓ کی ہدایت کے مطابق حضرت سعدؓ مدائن کی طرف بڑھے۔راستے میں ایرانیوں نے جگہ جگہ مزاحمت کی اور کئی چھوٹے چھوٹے معرکے ہوئے لیکن بلند حوصلہ مجاہدین یلغار کرتے ہوئے مدائن تک جا پہنچے اور اس کے مغربی حصے (بہرہ شیر) کا محاصرہ کرلیا۔یہ محاصرہ دو ماہ تک جاری رہا۔آخر سارے ایرانی خاص مدائن میں جو دریائے دجلہ کے مشرقی کنارے پر آباد تھا، سمٹ کر جمع ہوگئے۔انہوں نے دریا کا پل توڑ دیا اور تمام کشتیاں دوسرے کنارے کی طرف لے گئے۔ اِس وقت دریا میں خوفناک طغیانی آئی ہوئی تھی اور اس کو پار کرنا بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔حضرت سعدؓ نے یہ کیفیت دیکھی تو اللہ کا نام لے کر اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا۔دوسرے مجاہد نے بھی ان کی پیروی کی گویا۔

بحرِ ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

دریائے دجلہ کے پھنکارتے ہوئے پانی پر مجاہدین رکاب سے رکاب ملائے اِس طرح بڑھ رہے تھے گویا صحن چمن میں گلگشت کر رہے ہوں۔ایرانی یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔کچھ دیر تک مسلمانوں کو ٹکٹکی باندھے مسلمانوں کو دیکھتے رہے اور پھر "دیواں آمدند۔دیواں آمدند" (دیو آگئے، دیو آگئے) کہتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔یزدگرد اپنا حرم اور خزانے کا ایک حصہ پہلے ہی حلوان بھیج چکا تھا اب خود بھی مدائن کے درودیوار پر حسرت کی نظر ڈالتا بھاگ نکلا۔حضرت سعدؓ

مدائن میں داخل ہوئے تو ہر طرف عبرتناک سناٹا چھایا ہوا تھا اور کسریٰ کے پُرشکوہ محلات، دوسری عظیم الشان عمارتیں اور سرسبز و شاداب باغات زبانِ حال سے دنیائے دوں کی بے ثباتی کا اعلان کر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت سعدؓ کی زبان پر بے اختیار یہ آیات جاری ہو گئیں۔

کم ترکوا من جنات و عیون وزروع و مقام کریم و نعمة کانوا فیها فاکهین کذالک واورثنا ها قوما اخرین فما بکت علیهم السماء والارض وما کانوا منظرین (سورہ دخان)

(اگلے لوگ بہت سے باغات اور چشمے اور کھیت اور عمدہ مکانات اور نعمتیں چھوڑ گئے جن میں وہ عیش و آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔ یونہی ہوا تھا اور ہم نے ایک دوسری قوم کو ان کا وارث بنا دیا۔ پس نہ ان پر آسمان رویا اور نہ زمین اور نہ انہیں مہلت دی گئی)

مدائن سے مسلمانوں کو کروڑوں دینار کا مالِ غنیمت حاصل ہوا۔ اس میں ایسی ایسی نادر و نایاب چیزیں شامل تھیں کہ عقل انسانی انہیں دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہے ان میں کچھ کے نام یہ ہیں۔

نوشیرواں کا زرنگار تاج، شاہان سلف کے جڑاؤ خنجر، زرہیں، خود اور تلواریں، خالص سونے کا ایک بلند و بالا گھوڑا جس کے سینے پر یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس پر سونے کا بنا ہوا ایک سوار تھا۔ جس کے سر پر ہیروں کا تاج تھا۔ اسی طرح کی ایک طلائی اونٹنی اور اس کا طلائی سوار۔ ایوانِ کسریٰ کا طلائی فرش جس کا رقبہ ساٹھ مربع گز تھا اور جو بیش قیمت جواہرات سے آراستہ تھا۔ وغیرہ

مسلمانوں نے اِس قیمتی مال غنیمت کے جمع کرنے میں ایسی دیانتداری کا ثبوت دیا کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اگر کسی مجاہد کو ایک معمولی سی سوئی ملی یا بیش قیمت جواہر، اِس نے بلا تامل اسے امیر کے پاس جمع کرا دیا۔ یہ وہی عرب تھے جن پر اہل ایران بھوکے اور ننگے کی پھبتی کسا کرتے تھے۔ حضرت سعدؓ نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا اور باقی سب مجاہدین میں تقسیم کر دیا۔

مدائن کی فتح کے بعد مسلمانوں نے آگے بڑھ کر جلولا، حلوان، تکریت، موصل، ہیت اور ماسبذان وغیرہ بھی فتح کر لیے اور عراقِ عرب کی آخری حد تک اِس کا استیلا ہو گیا۔ اس کے بعد

حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا اور حضرت سعدؓ کو مفتوحہ علاقے کا والی بنا کر اس کے نظم ونسق کی طرف توجہ کرنے کا حکم دیا۔

حضرت سعدؓ نے مدائن کو اپنا مستقر بنا کر امارت کے فرائض ایسی لیاقت اور عدل کے ساتھ انجام دیئے کہ تمام رعایا گرویدہ احسان ہو گئی۔ مسلمانوں کے پاکیزہ اور پسندیدہ اطوار نے ایرانیوں کے دل موہ لیے اور وہ دھڑا دھڑ اسلام قبول کرنے لگے۔ حضرت سعدؓ نے نہایت قلیل عرصے میں مفتوحہ علاقے کی مردم شماری اور زمین کی پیمائش کرائی۔ زمین کے اصل مالکوں کا قبضہ اس پر برقرار رکھا اور دُور افتادہ زمین پر مستحق اور اہل لوگوں کو قابض ہونے کی اجازت دی۔ مالیہ اور جزیہ کے نہایت منصفانہ قوانین واضح کیے اور رفاہِ عام کے بے شمار کام کرائے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تمام ملک میں امن وامان اور خوشحالی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس طرح اپنے حسنِ انتظام سے حضرت سعدؓ نے ثابت کر دیا کہ وہ صرف ایک قابل سپہ سالار ہی نہیں بلکہ بہترین گورنر بھی ہیں۔

مدائن میں مسلمانوں کے قیام کو جب ایک عرصہ گزر گیا تو حضرت سعدؓ نے محسوس کیا کہ وہاں کی فضاء مسلمانوں کو راس نہیں آئی۔ انہوں نے یہ کیفیت حضرت عمرؓ کو لکھ بھیجی۔ وہاں سے حکم موصول ہوا کہ سرحدِ عرب کے اندر کے مناسب جگہ تلاش کر کے ایک نیا شہر آباد کرو جہاں کی آب وہوا خوشگوار ہو۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے ۱۷ ہجری میں کوفہ کا شہر آباد کیا اور دارالامارت بھی مدائن سے کوفہ منتقل کر دیا۔ کوفہ آ کر حضرت سعدؓ نے رفاہِ عامہ کے کاموں پر اور زیادہ توجہ دی، چھوٹی چھوٹی نہریں کھدوا کر پانی کی بہم رسانی کا نہایت عمدہ انتظام کیا۔ بہت سے پل اور مسافر خانے بنوائے اور اپنے ذاتی سرمائے سے کئی مکاتب اور مدارس قائم کئے۔ فوج میں تنخواہ کی تقسیم کا نہایت عمدہ انتظام کیا اور کوفہ کو فوج کی تعداد اور سامانِ حرب وضرب کے لحاظ سے عالم اسلام کی سب سے بڑی چھاؤنی بنا دیا۔

حضرت سعدؓ کے قیام کوفہ کے دوران میں اہل کوفہ کی ایک جماعت ان کی مخالف ہو گئی اور اس نے حضرت عمرؓ کے پاس شکایت کی کہ حضرت سعدؓ اچھی طرح نماز نہیں پڑھاتے، حضرت عمرؓ نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو بھیج کر تحقیق کروائی تو یہ الزام بالکل بے بنیاد اور لغو ثابت ہوا تاہم ۲۱ھ

میں حضرت عمرؓ نے حضرت سعدؓ کو ملکی مصالح کی بناء پر منصبِ امارت سے سبکدوش کر دیا اور وہ مدینہ واپس آ گئے۔

۲۳ھ میں ایک مجوسی غلام ابولولو فیروز نے حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ کیا۔ زخم اتنے شدید تھے کہ ان کی جانبری کی کوئی امید نہ رہی۔ چنانچہ لوگوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ اپنا جانشین نامزد کر دیں۔ فاروقِ اعظمؓ نے سوچ بچار کے بعد چھ اکابر صحابہ کے نام لئے کہ یہ لوگ اپنے میں سے جسے چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں۔ اِن میں سے ایک حضرت سعدؓ تھے۔ دوسرے پانچ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف تھے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے وفات سے پہلے حضرت سعدؓ کی نسبت خصوصیت سے یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

''میں نے سعدؓ کو (فرائض سے) کوتاہی یا خیانت کی بناء پر معزول نہیں کیا۔ اگر سعدؓ خلافت کیلئے منتخب ہو جائیں تو وہ اس کے اہل ہیں اور اگر وہ منتخب نہ ہوں تو جو خلیفہ بنایا جائے وہ ان سے مدد لے''۔

فاروقِ اعظمؓ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ نے بحث و تمحیص کے بعد حضرت عثمانؓ کو ان کا جانشین منتخب کیا۔ انہوں نے مسند خلافت پر بیٹھتے ہی حضرت سعدؓ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کر دیا۔ اِس بار وہ اِس منصب پر تین سال تک فائز رہے۔ ۲۶ھ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود مہتمم بیت المال سے اختلاف پیدا ہو جانے پر حضرت عثمانؓ نے بھی انہیں امارت سے سبکدوش کر دیا۔ اِس کے بعد حضرت سعدؓ نے سیاست ملکی سے یکسر قطع تعلق کر لیا اور مدینہ منورہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام عقیق میں عزلت گزین ہو گئے۔ انکے قیام عقیق کے طویل زمانے میں عالم اسلام میں بڑے بڑے اُتار چڑھاؤ اور فساد فتنین برپا ہوئے مگر وہ ان سب سے الگ رہے۔ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے آخری دنوں میں جب مفسدین نے کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا تو حضرت سعدؓ عقیق سے مدینہ تشریف لائے اور باغیوں کو مقدور بھر سمجھانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے

حضرت سعدؓ کی نصیحت کا کوئی اثر قبول نہ کیا اور وہ مایوس ہو کر عتیق واپس آ گئے۔ حضرت عثمان غنیؓ شہادت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سریر آرائے خلافت ہوئے تو حضرت سعدؓ نے بلا تامل ان کی بیعت کر لی۔ لیکن جمل اور صفین کی لڑائیوں میں سے انہوں نے کسی میں حصہ نہیں لیا۔ جنگ جمل میں لوگوں نے انہیں ساتھ چلنے کی دعوت دی تو فرمایا۔ ''مجھے ایسی تلوار بتاؤ جو کافر اور مسلم میں فرق رکھے''۔

حافظ ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں لکھا ہے کہ زمانہ فتنہ میں ایک دفعہ حضرت سعدؓ کے بھتیجے ہاشمؓ بن عتبہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ اِس وقت خلافت کا دعویٰ کر دیں تو ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت کیلئے تیار ہیں۔ انہوں نے جواب دیا ''بھتیجے ان ایک لاکھ تلواروں میں سے صرف ایک ایسی تلوار چاہتا ہوں جو کافر پر تو چلے لیکن کسی مسلمان پر نہ چلے''۔

حضرت سعدؓ کو عتیق کی خانہ نشینی کی زندگی بسر کرتے ہوئے جب ایک طویل عرصہ گزر گیا تو ضعف پیری ان پر غالب آنا شروع ہوا قوائے بدنی مضمحل ہو گئے اور آنکھوں کی بصارت نے جواب دے دیا۔ آخر خالق حقیقی کا بلاوا آ پہنچا اور ۵۵ ہجری میں انہوں نے پیک اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ مدینہ منورہ لایا گیا تو وہاں کہرام مچ گیا اور ہر طرف سے لوگ جنازہ میں شرکت کیلئے اُمڈ آئے۔ والی مدینہ مروان بن الحکم نے اُمہات المومنینؓ کے حجروں کے سامنے نمازِ جنازہ پڑھائی اور پھر اسلام کے اِس بطلِ جلیل کو جنت البقیع میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔

حضرت سعدؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کئے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اولادِ کثیر سے نوازا۔ اہل سیر نے ان کے اٹھارہ لڑکوں اور اٹھارہ لڑکیوں کے نام تخصیص کے ساتھ لکھے ہیں۔

حضرت سعدؓ کا چمن اخلاق گلہائے رنگا رنگ سے آراستہ تھا۔ سبقت فی الاسلام، حب رسولؐ تحمل شدائد، غیرتِ دینی، اتباع سنت، زہد و تقویٰ، شجاعت، تواضع، ایثار، سخاوت، انکسار اور حق گوئی و بے باکی ان کے مخصوص اوصاف تھے۔ انہوں نے اس وقت دعوت حق پر لبیک کہا جب ایسا کرنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ذاتِ رسالت مآبؐ کی محبت اور اطاعت کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا، ہر وقت اپنی جان حضورﷺ پر قربان کرنے کیلئے

تیار رہتے تھے۔ اِس والہانہ محبت کی بدولت ان کو بارگاہِ نبوی میں خصوصی تقرب حاصل ہو گیا تھا۔ ایک مرتبہ حضورﷺ نے اِن کے حق میں دُعا کی۔

”الٰہی اس کی دُعا قبول فرمایا کر اور اِس کی تیر افگنی درست رکھ“

اِس مبارک دُعا کی بدولت اللہ تعالیٰ نے حضرت سعدؓ کو مستجاب الدعوات بنا دیا تھا، لوگ اِن سے دُعائے خیر کے خواہاں رہتے تھے اور ان کی بددُعا سے ڈرتے تھے۔ وہ بیمار ہوتے تو حضورﷺ بنفس نفیس ان کی عیادت کیلئے تشریف لے جاتے۔ تحمل شدائد صحابہ کا خاص وصف تھا انہوں راہِ حق میں ایسی ایسی مصیبتیں جھیلیں کہ انسان ان کے تصور سے بھی کانپ اُٹھتا ہے۔ سابقون الاولون تو خاص طور پر مشرکین کا ہدف ستم بنے۔ حضرت سعدؓ بھی اِسی مقدس جماعت کے ایک رُکن تھے۔ وہ کئی سال تک مکہ میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کے مصائب برداشت کرتے رہے یہاں تک شعب ابی طالب میں بھی تین سال تک محصوری کے زہرہ گداز مصائب رضا کارانہ جھیلتے رہے۔ حالانکہ یہ محصوری صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب کیلئے مخصوص تھی۔ غیرت دینی کا یہ عالم تھا کہ ہولناک خطرات کے باوجود راہِ حق میں سب سے پہلے ایک دشمن اسلام کی سرکوبی کی۔ اِسی طرح اللہ کے راستے میں سب سے پہلے تیر چلایا۔ عتبہ بن ابی وقاص ان کے بڑے بھائی اور محسن تھے لیکن جب عتبہ نے جنگ اُحد میں حضورﷺ کو زخمی کیا تو وہ ان کے جانی دشمن ہو گئے۔ اتباع سنت کا اِس قدر اہتمام تھا کہ ہر کام میں حضورﷺ کے احکام اور طریقہ کو پیش نظر رکھتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لئے تقلید کا بہترین نمونہ ہے، زُہد و تقویٰ کی یہ کیفیت تھی کہ ساری عمر کبھی کسی مالدار آدمی سے کوئی تحفہ یا ہدیہ قبول نہیں کیا اور نہ کبھی کوئی ایسا لقمہ کھایا جس کے پاک ہونے میں ذرا بھی شبہ ہو۔ غیبت کو سخت ناپسند کرتے تھے اور کسی کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ ان کے سامنے کسی دوسرے مسلمان کی برائی بیان کرے۔ لوگوں کو ہمیشہ حق گوئی کی تلقین کرتے تھے اور ریا کاری سے بچنے کی ہدایت کرتے تھے۔ اپنی اولاد کو اکثر قناعت اختیار کرنے کی وصیت کرتے تھے۔

شوقِ جہاد اور شجاعت حضرت سعدؓ کی زندگی کے نمایاں پہلو تھے۔ غزوہ بدر اور اس کے بعد

معرکہ اُحد میں انہوں نے جس جوش اور فدا کاری کا مظاہرہ کیا، سید المرسلین ﷺ نے ان کی برملا تحسین فرمائی۔ بعد کے غزوات میں بھی ان کی شجاعت اور جانبازی کی یہی کیفیت رہی۔ اِن کا یہی وصف مہم عراق کے قیادت کیلئے ان کے انتخاب کا باعث ہوا۔ جنگ قادسیہ میں وہ علالت کے باعث عملی طور پر لڑائی میں شریک نہ ہو سکے تاہم جب وہ بستر پر لیٹے لیٹے مجاہدین کو جانبازیاں کرتے دیکھتے تھے تو جذبہ شجاعت سے مجبور ہو کر بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت سعدؓ کے شوقِ جہاد اور شجاعت کی بناء پر لوگ ان کو فارس السلام (شہسوار اسلام) کہہ کر پکارتے تھے۔

حضرت سعدؓ دینی اور دنیاوی ہر لحاظ سے بڑے اونچے رُتبے پر فائز تھے لیکن طبیعت میں تواضع، انکسار، حلم اور ضبط وتحمل کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ غریبوں کے ساتھ بیٹھنا اوران کی مدد کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ کسی مزدور کو بوجھ کے نیچے دبا دیکھتے تو اس کا بوجھ اٹھا کر منزل پر پہنچا آتے۔ گو انہوں نے عقیق میں ایک عمدہ مکان تعمیر کرایا تھا لیکن مزاج کی سادگی میں مطلق فرق نہ آیا تھا۔ سادہ سے سادہ غذا کھاتے اور سادہ سے سادہ لباس پہنتے تھے۔ عبادت سے فارغ ہوتے تو اپنے مویشی چرانے جنگل کی طرف نکل جاتے۔ زمانہ امارت میں حاجت مندوں کے وظائف خود جا کر تقسیم کرتے تھے۔ اپنے چھوٹے چھوٹے کام خود کر لیتے تھے اور کسی خادم یا غلام کو تکلیف نہیں دیتے تھے۔ فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ بھی ان کا نمایاں وصف تھا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کوئی سائل ان کے در سے محروم گیا ہو۔ غرباء اور مساکین کیلئے ان کے گھر کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے تھے۔ مساجد اور مکاتب کی تعمیر کیلئے دل کھول کر عطیے دیتے تھے۔ اگر فوج کا کوئی سپاہی ایسی حالت میں شہید ہو جاتا کہ اس کے ذمہ کوئی قرض ہوتا تو اس کا قرض اپنی گرہ سے ادا کر دیتے تھے۔ ان میں ایثار اور استغفار کا وصف بھی بدرجہ اتم پایا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کی وصیت کی رو سے وہ بھی خلافت کے اہل تھے لیکن وہ اپنے حق خلافت سے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ ایام فتن میں ایک دفعہ ان کے بیٹے عمرو (یا عامر) نے انہیں گوشہ تنہائی سے نکلنے اور خود خلافت کا دعویٰ کرنے کی ترغیب دی تو سخت ناراض ہوئے اوراس کی چھاتی پر ہاتھ مار کر

فرمایا۔

"میں نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ اللہ پرہیز گار، بے غرض اور مخفی بندہ کو محبوب رکھتا ہے"۔

حق بات کہنے میں وہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایک بار امیر معاویہؓ سے ملنے گئے تو "السلام علیک ایہا الملک" کہہ کر خطاب کیا۔ وہ بولے۔ "اگر آپ امیر المومنین کہتے تو کیا حرج تھا؟" فرمایا "خدا کی قسم جس طرح آپکو یہ حکومت ملی ہے اِس طریقہ سے اگر یہ مجھے مل رہی ہوتی تو میں اس کا لینا ہرگز پسند نہ کرتا"۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ "سعدؓ میں شجاعت اور لطافت طبع کے ساتھ رقتِ قلب بھی تھی"۔ چنانچہ وہ کسی کو تکلیف میں دیکھتے تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں۔ عبادت کے بعد دُعا مانگتے تو آنکھیں نم ہو جاتیں۔ اکثر اشکبار ہو کر فرماتے۔ "یہ فانی زندگی جلد ختم ہونے والی ہے اور ہم دنیا کی لذتوں میں محو ہیں"۔

ارباب سیر نے حضرت سعدؓ کے دوسرے اوصاف و محاسن کے علاوہ ان کے ذوقِ عبادت، خوفِ خدا اور علم و فضل کا ذکر بھی خصوصیت سے کیا ہے۔ ان پر ہر وقت خشیت الٰہی کا غلبہ رہتا تھا، نہایت کثرت سے روزے رکھتے تھے اور رات کا بیشتر حصہ یادِ الٰہی میں گزارتے تھے۔ نماز کیلئے کھڑے ہوتے تو خوفِ الٰہی سے جسم پر لرزہ جاری ہو جاتا اور چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا۔ نمازِ تہجد کا خاص التزام تھا۔ اکثر آدھی رات کے بعد مسجد نبوی میں جا کر نہایت خشوع و خضوع سے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ نماز کے بعد نہایت عجز و الحاح سے دُعا مانگتے تھے کہ "الٰہی میرے گناہوں کو بخش دے اور مجھے اپنی مخلوق کی خدمت کرنے کی توفیق دے"۔ رمضان المبارک آتا تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہتی اِس مقدس مہینے میں رات دن عبادت کے سوا کوئی شغل نہ ہوتا، رات کے آخری حصے میں خوفِ خدا سے اِس قدر روتے کہ ریش مبارک اور جائے نماز آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ قرآنِ حکیم سے غیر معمولی شغف و انہماک تھا، تلاوتِ قرآن میں کبھی ناغہ نہیں آنے دیتے تھے، ایسی خوش الحانی اور درد کے ساتھ قرآن حکیم کی تلاوت کرتے تھے کہ سننے والوں پر محویت کا عالم طاری ہو جاتا تھا۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سائب کہتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سعدؓ ان کے

پاس تشریف لائے اور فرمایا۔ ''عبدالرحمٰن میں نے سنا ہے کہ تم قرآن کریم کی قرأت خوش الحانی سے کرتے ہو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قرآن غم (عبرت) کیلئے نازل ہوا ہے۔ اِس لئے جب پڑھو تو رؤو اگر روتے نہیں تو تمہاری صورت سے عبرت پذیری کا اظہار ہو اور اس کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو''۔

حضرت سعدؓ کو بارگاہِ رسالت ﷺ میں جو تقرب خصوصی حاصل تھا اس نے ان کا پایہ علم و فضل بہت بلند کردیا تھا۔ وہ سالہا سال تک نبوت کے سرچشمہ علم و عرفان سے فیض یاب ہوئے۔ اِس کا یہ اثر ظاہر ہوا کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد وہ ان صحابہ کبارؓ میں شمار ہوئے جو علم و فن کا مرجع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تفقہ فی الدین کا خاص ملکہ عطا کیا تھا اور وہ فقہائے صحابہ کی اِس صف سے تعلق رکھتے تھے جس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت اُم سلمہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل جیسے اساطین اُمت شامل ہیں۔ اِن کا دامن بیشمار علمی جواہر ریزوں سے پُر تھا۔ لوگ جوق در جوق اِن سے مسائل پوچھنے آتے اور وہ سب کو مطمئن کرکے واپس بھیجتے۔ اگر کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا تو اپنے ہمعصر صحابہ کرامؓ سے بھی پوچھنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے۔ اگرچہ حضرت سعدؓ حدیث بیان کرنے میں بہت محتاط تھے اِن سے دوسو پندرہ احادیث مروی ہیں۔ ان میں پندرہ متفق علیہ، پندرہ میں بخاری اور آٹھ میں مسلم منفرد ہیں۔

شہسوارِ اسلام حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بلا شبہ تاریخ اسلام کی ایک جامع کمالات وصفات شخصیت ہیں۔ اِن کی سیرت اپنے اندر بے شمار پہلوئے اتباع رکھتی ہے۔ اسلامی زندگی کا شاید ہی کوئی ایسا گوشہ ہو جس کے متعلق ان کا کردار اور طرزِ عمل کوئی اعلیٰ وارفع نمونہ پیش نہ کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عشق رسولؐ، صبر و استقلال اور شجاعت جیسے اوصاف کے علاوہ تدبیر و سیاست، اِنتظام سلطنت اور قیادت جیسی صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور کیا تھا۔ اسلام کو جہاں اور جس طرح کی ضرورت ہوئی اُنہوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کا نذرانہ فوراً پیش کردیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بابا جان کا دورہ ملتان(2010ء)

(سید رحمت اللہ توحیدی)

قبلہ محترم باباجان محمد صدیق ڈارتوحیدی نے سالانہ دورہ جات کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے دورہ ملتان کو حتمی شکل دی۔ ملتان ریجن کے دورہ کیلئے سات دن کا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ پروگرام کے مطابق 2 دسمبر بروز جمعرات گوجرانوالہ سے روانہ ہوکر 8 دسمبر بروز بدھ کو مرکز تعمیر ملت گوجرانوالہ واپس پہنچنا تھا۔ حلقہ توحیدیہ لاہور میں یہ بات سننے میں آئی کہ باباجان کی ضعف عمر اور صحت کے پیش نظر آرام کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ تمام حلقہ جات میں حلقہ ذکر کے بعد زیادہ طویل نشستیں نہیں ہوں گی۔ مزید یہ کہ وعظ ونصیحت کے سیشن میں بیٹھنے کیلئے حلقہ ذکر کے بعد ایک کرسی رکھی جائے گی جس پر بیٹھ کر باباجان زیادہ سہولت کے ساتھ دوست احباب اور نئے آنے والوں سے ملاقات، بات چیت اور تبلیغ کریں گے۔ دورہ جات کے حالات وواقعات نے ثابت کردیا کہ یہ صرف باتیں ہی رہیں۔ پریم سے بھرپور طویل ترین نشستیں پہلے دن سے آخری دن تک معمول رہیں۔ آرام کیلئے کوئی خاص وقت نہ بچایا جاسکا۔ لاہور میں پہلے دن ہی جب حلقہ ذکر کے بعد قبلہ باباجان کو کرسی پر بیٹھ کر دوست احباب اور مریدین سلسلہ سے بات چیت کرنے کا کہا گیا تو باباجان نے حاضرین کے ساتھ ہی زمین پر بیٹھنا پسند کیا۔

قبلہ باباجان 2 دسمبر بروز بدھ گوجرانوالہ سے پبلک ٹرانسپورٹ پر لاہور کیلئے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ جناب محمد طالب صاحب بھی لاہور آئے۔ شیخ محمد اسلم صاحب نے لاہور بس سٹاپ پر باباجان کو خوش آمدید کہا اور نشاط کالونی جناب مولوی محمد یعقوب صاحب کی رہائش گاہ پر لے آئے جہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نے خادم حلقہ توحیدیہ لاہور جناب میاں محمد انور صاحب اور جناب خالد اسحاق صاحب کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ اِس روز نماز مغرب کے بعد حلقہ ذکر ہوا۔ حلقہ توحیدیہ لاہور میں بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے فیض یافتہ مریدین مولوی محمد یعقوب صاحب، میاں محمد انور صاحب، ائیر کموڈور (ریٹائرڈ) اعجاز الدین صاحب اور جناب محمد جمیل مرزا صاحب کی موجودگی میں دیگر موضوعات گفتگو کے ساتھ ساتھ بانی

سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ صاحب کی زندگی کے حالات و واقعات کا اعادہ ہوا جنہیں حاضرین نے بہت پسند کیا۔ بابا جان قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب نے قرآن و سنت کی روشنی میں ذکر الٰہی کی اہمیت اور فوائد پر سیر حاصل گفتگو کی۔ ذکر اذکار سے فراغت کے بعد کم و بیش دو گھنٹے بات چیت، سوالات اور ان کے جوابات کے بعد دُعا کے ساتھ محفل برخاست ہوئی۔ 3 دسمبر بروز جمعتہ المبارک جناب شیخ محمد اسلم صاحب نے قبلہ حضرت بابا جان اور مولوی محمد یعقوب صاحب کو ملتان کیلئے ڈائیوو بس سٹاپ پر الوداع کیا۔

ملتان میں جناب خالد محمود بخاری صاحب، خادمانِ حلقہ توحیدیہ ملتان جناب حافظ عبدالکریم صاحب، جناب محمد قاسم توحیدی صاحب، جناب سید امین شاہ صاحب بخاری اور جناب فیصل خان صاحب کے ہمراہ بابا جان کی آمد پر پروگرام ترتیب دے چکے تھے۔ جناب خالد محمو بخاری صاحب تمام دوست اور مریدین سے براہ راست رابطہ میں تھے۔ یکم دسمبر سے ہی ان کی طرف سے بابا جان کی آمد، پروگرام کی تفصیل اور یاددہانی کے دعوتی موبائل پیغامات باقاعدگی سے موصول ہو رہے تھے۔

قبلہ بابا جان کے ساتھ لاہور سے ملتان سفر میں جناب مولوی محمد یعقوب صاحب کو رفاقت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ کا قیام ملتان میں جناب سید امین شاہ صاحب بخاری کے پاس تھا۔ ملتان شہر سے تمام مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ نے نمازِ مغرب کے بعد حلقہ ذکر میں شمولیت کی۔ جس کے بعد گفت و شنید کا سلسلہ رات تادیر جاری رہا۔ اِسی دوران نمازِ عشاء ادا کی گئی اور حاضرین کی کھانے سے تواضع کی گئی۔ بابا جان نے اس رات سید امین شاہ صاحب بخاری کی رہائش گاہ پر قیام کیا۔ ملاقاتوں کا سلسلہ اگلے روز علی الصبح ہی شروع ہو گیا۔ ملتان میں میزبان بھائیوں کی طرف سے ترتیب کردہ پروگرام کے مطابق بابا جان نے صبح گیارہ بجے جناب حافظ عبدالکریم صاحب کی رہائش گاہ پر خواتین کے اجتماع سے خطاب کیا۔ کچھ خواتین سے بیعت لی اور ان کا حلقہ قائم کیا۔ حافظ عبدالکریم صاحب کی رہائش گاہ پر یہ پروگرام نمازِ ظہر اور کھانے کے ساتھ ہی منظم انداز سے ختم ہوا۔ جناب فیصل خان صاحب بابا جان کو لینے کیلئے آ چکے تھے۔ دوپہر کے بعد

قبلہ بابا جان اگلے روز صبح تک کیلئے فیصل خان صاحب کی رہائش گاہ پر آ گئے۔ یہاں پر پروگرام جناب فیصل خان صاحب نے کچھ اس طرح سے ترتیب دیا کہ اس میں نمازِ مغرب کے بعد حلقہ ذکر نہیں کیا گیا۔ بابا جان کے آرام کے پیش نظر برادران سلسلہ کو بھی رات کو گفت و شنید کی محفل سجانے سے منع کر دیا گیا۔ اِس رات بابا جان نے حلقہ ذکر کی کمی کو اِن الفاظ میں بیان کیا کہ یہ کیسا پروگرام ہے، جس میں حلقہ ذکر نہیں ہے۔

5 دسمبر بروز اتوار ناشتہ کے بعد لسوڑی کیلئے روانگی تھی۔ ملاقات کیلئے آنے والے خواتین و حضرات سے مختصر ملاقات کرتے ہوئے قبل از دوپہر فارغ ہوئے اور لسوڑی کیلئے جناب خالد محمود بخاری صاحب، فیصل خان صاحب، سید امین شاہ صاحب، محمد قاسم توحیدی صاحب کے ہمراہ چند دیگر بھائی ایک قافلہ کی صورت میں روانہ ہوئے۔ یہ تمام برادران بابا جان کو لسوڑی سید عاشق حسنین مرتضیٰ صاحب کی رہائش گاہ پہنچا کر قبل از نمازِ مغرب واپس ملتان کیلئے روانہ ہوئے۔ نمازِ مغرب کے بعد حلقہ ذکر جناب سید محمد عبداللہ بخاری صاحب نے کرایا۔ حاضرین کی کھانے سے تواضع کی گئی اور رات گیارہ بجے تک بات چیت اور وعظ کا سلسلہ جاری رہا۔

6 دسمبر بروز سوموار قبل از دوپہر بابا جان جناب سید خالد حسنین مصطفےٰ صاحب کے ساتھ شجاع آباد کیلئے روانہ ہوئے۔ شجاع آباد میں حلقہ ذکر کیلئے وسیع پیمانے پر لوگوں کو دعوت دی گئی تھی اور ان کیلئے بہترین لنگر کا اِنتظام کیا گیا تھا۔ یہاں پر بہت سے نئے لوگوں کا تعارف سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیمات سے کرایا گیا۔ ذکر کیلئے آئے ہوئے افراد کے سوالات کے جوابات بابا جان نے اپنے بہترین انداز میں دیے۔

7 دسمبر بروز منگل بابا جان نے صبح سویرے ناشتہ کر کے ملتان روانہ ہونا تھا جہاں ایک ڈینٹل سرجن سے ٹائم لیا گیا تھا۔ ملتان سے جناب فیصل خان صاحب ساڑھے آٹھ بجے مقرر کردہ وقت پر بابا جان کو لینے کیلئے شجاع آباد پہنچ چکے تھے۔ ناشتہ کا اِنتظام جناب سید عابد کبیر شاہ صاحب کی رہائش گاہ پر تھا۔ ناشتہ سے فراغت اور ملاقاتوں کے بعد بابا جان ساڑھے دس بجے ملتان کیلئے روانہ ہوئے۔

بابا جان نے ملتان صرف جناب امین شاہ صاحب بخاری کی رہائش گاہ پر رہنا تھا مگر پروگرامات کی ترتیب میں دوسرے مقامات پر بھی جانا پڑا تو بابا جان نے از خود فیصلہ کیا کہ ہم 'دینو والی' ملتان میں قائم حلقہ پر بھی ضرور جائیں گے اور وہاں سے چائے پئیں گے۔ بابا جان نے ان کیلئے دو گھنٹے کا وقت مقرر کیا اور تمام تر تکلفات سے روک دیا۔ اِس حلقہ کے بھائی اور دوست احباب اس پروگرام کی ترتیب پر بہت خوش تھے۔ بابا جان اِس پروگرام سے حسب سہولت فراغت کے بعد جناب سید امین شاہ صاحب بخاری کے ہاں تشریف لائے۔ رات یہاں قیام کیا اور اگلے روز 8 دسمبر بروز بدھ واپسی کے سفر میں لاہور کیلئے روانہ ہو گئے۔ لاہور بابا جان کے آرام کی خاطر کوئی باقاعدہ پروگرام ترتیب نہ دیا گیا یہاں رات قیام کے بعد 9 دسمبر بروز جمعرات بابا جان جناب مولوی محمد یعقوب کی رفاقت میں مرکز تعمیر ملت کیلئے روانہ ہوئے۔ اِس طرح سالانہ دورہ ملتان ریجن 2010ء کا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔

بابا جان کے پروگرامات میں ایک ناقابل بیان خوشی، سوز و گداز اور محبت بھری کیفیات کا بیان الفاظ میں ناممکن ہے۔ جذبات و کیفیات کی ترجمانی کیلئے قلم اور کاغذ بے زباں ہیں۔ بانی سلسلہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے فیض یافتہ مریدین سلسلہ عالیہ توحیدیہ سے اکثر سنا ہے کہ ہم نے ایک بہترین وقت پایا مگر اس سے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ بے شک اِس سے وہ مریدین ہی واقف ہیں۔ انہیں حضرات میں سے تقریباً سب جو رابطہ میں آ سکے اِن کا کہنا بھی یہی ہے کہ اللہ تعالٰی کے خصوصی کرم پر ہمیں قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب جیسے روحانی رہنما میسر آئے ہیں۔ ہر لحہ یہی احساس ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عمل کے میدان میں ہم صرف اور صرف اپنی نادانی سے یہ موقع گنوا دیں۔ بے شک دنیا میں ایسے افراد صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اِس دُعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالٰی ہمیں یہ لمحے بہترین تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

دُکھیا سب سنسار

(ایم طالب گوجرانوالہ)

بیوی نے خاوند کوالوداع کہا۔ جہاز اُڑا۔ خیال نے رِفعتوں کو چھوا۔ حوصلے بلند ہوئے۔ یہ سفر آسودگی کی نوید تھا۔ خاوند کو نوکری مل گئی تھی۔ وطن سے دور، دیارِ غیر میں۔ تنخواہ ڈالروں میں تھی۔ دن گزرتے ہی گئے۔ بیوی اِنتظار کرتی رہی، خاوند کا نہیں۔ اِس کے بھیجے ہوئے پیسوں کا۔ پیسے ملے، بہت سے پیسے ملے۔ مکان سجا، فانوس لگے، روشنی ہوئی۔ مہمان آئے۔ کھانے پکے، رونقیں ہوئیں۔ بس صرف گھر کا مالک ہی موجود نہ تھا گھر میں۔ وہ بیچارہ پردیسی، دیس میں ہونے والی رونقوں کو کیا جانے۔ کچھ دنوں بعد دونوں ہی دُکھی تھے۔ تنہائی کا زہر ان کے وجود میں اثر کر رہا تھا۔ چراغ جلتے رہے اور دل بجھتے ہی رہے۔ اِس دُکھ کا کیا علاج۔ وطن میں رہو تو مال نہیں۔ مال ملے تو وطن نہیں۔ عجب صورتِ حال ہے۔ دُکھوں سے بچنے کیلئے کوشش کرنے والے ایک نئے دُکھ کے حوالے ہو جاتے ہیں۔

کیا زندگی میں دُکھ کا ہونا لازمی ہے، کیا زندگی دُکھ ہی کا نام ہے؟ انسانوں کی کائنات میں کوئی نہیں جس کی آنکھوں میں آنسو نہ ہوں، آج کا انسان بہت دُکھی ہے وہ اندر سے ٹوٹ رہا ہے۔ اِس کا ظاہر بے خراش بھی ہو تو بھی اُس کا باطن قاش قاش ہوتا ہے۔

آرزوؤں کی کثرت نے انسان کو دُکھی کر رکھا ہے کثرت ہمیشہ دُکھی کرتی ہے۔ ایک خواہش پوری ہو تو دوسری پوری نہیں ہوتی۔ خوشی کا ایک لمحہ غم اور اندیشوں کے لمحات کو جنم دیتا ہے ایک حاصل میں کتنی محرومیاں چھپی ہوتی ہیں۔ انسان جو کچھ بھی ہوتا ہے اسکے علاوہ کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور انسان فطرتاً اپنے علاوہ کچھ اور ہونا چاہتا ہے دنیا اُسے ایک نام ایک صفت سے پکارنے لگ جائے تو وہ خواہش کرتا ہے کہ لوگ اسے دوسرے نام سے، دوسری صفت کے حوالے سے پکاریں۔ ایسا نہیں ہو سکتا پس وہ دُکھی ہو جاتا ہے۔

ہر انسان چاہتا ہے کہ اُسے چاہا جائے اُسے پسند کیا جائے۔ لیکن کیوں۔ "اِسی کیوں" سے ہی بگاڑ پیدا ہوتا ہے لوگ اپنے علاوہ کسی کو پسند نہیں کر سکتے اور خود پسندی کی عادت بھی خودگریزی کی

علامت ہے۔انسان خود کو بھی ہمیشہ کیلئے پسند نہیں کر سکتا۔پس اِنسان دُکھی رہتا ہے۔

انسان کثرتِ مال اور کثرت اولاد کو خوشی کا ذریعہ سمجھتا ہے لیکن کثرتِ مال محض وبال ہے۔ اور کثرتِ اولاد اکثر انسان کیلئے دُکھ کا ذریعہ بھی ہو سکتی ہے۔اولاد کی آرزو اور اولاد کی پرورش کی تمنا اور پھر اولاد کی اپنی آرزوئیں انسان کے لئے ایک عجب مصیبت ہیں۔اولاد موٴدب نہ ہو تو ایک عذاب ہے۔آج کل اولاد کا موٴدب ہونا ایک مشکل مسئلہ ہے آج کے بچے آج کے انسان کے دُکھ کی علامت بھی بن سکتے ہیں۔

ایک آدمی کو دیکھا گیا کہ وہ کسی خانقاہ پر جا کر زور زور سے دُعا مانگ رہا تھا کہ "اے اللہ تو نے میری وہ دُعا جو سولہ سال پہلے منظور کی تھی اُسے اَب نامنظور فرما دے" اے صاحب آستانہ بزرگ! تو بھی آمین کہہ"۔لوگوں نے کہا "تو کیا کہہ رہا ہے" اُس نے کہا "میں منظور شدہ دُعا کی نامنظوری چاہتا ہوں" لوگوں نے تفصیل پوچھی تو اس نے کہا "آج سے سولہ سال پہلے میں اِسی آستانے پر حاضر ہوا تھا۔میں نے اللہ کے آگے دُعا کی کہ الٰہی! مجھے ایک بیٹا عطا فرما۔اللہ کی مہربانی اور اُس بزرگ کے وسیلے سے مجھے بیٹا ملا۔آج وہ جوان ہے اور میں کیا بتاؤں کہ اِس بیٹے نے مجھے کتنا تنگ کر رکھا ہے۔مختصر یہ کہ میں دُعا کرتا ہوں کہ میری قدیم منظور شدہ دُعا کو نامنظور فرما لے میرے اللہ؟

ایک آدمی اپنے کسی عزیز کی موت پر رو رہا تھا۔لوگوں نے کہا۔صبر کرو اب رونے سے کیا ہو سکتا ہے اُس نے روتے روتے جواب دیا۔بھائیو! رونا تو اِسی بات کا ہے کہ اب رونے کا بھی کچھ فائدہ نہیں۔میں اپنے رائیگاں آنسوؤں پر ہی تو رو رہا ہوں۔کرب ہی کرب ہے۔دُکھ ہی دُکھ ہے اور میں۔۔۔۔۔

ہم اِس دنیا سے کچھ لے کر بھاگ جانا چاہتے ہیں لیکن اس دنیا سے کچھ لے جا نہیں سکتے۔ بس یہاں سے اُٹھا کر وہاں رکھ سکتے ہیں۔ہم سب قُلی ہیں سامان اُٹھائے پھرتے ہیں۔خیال کا سامان،احساس کا سامان،مال و دولت،وجود اشیاء اُٹھائے پھرتے ہیں،کب تک؟ قُلی کا سامان کسی اور کا سامان ہوتا ہے۔قُلی کے نصیب میں صرف وزن ہے۔وزن اور صرف وزن اور یہ

وزن کرب ہے۔اِس دنیا میں کچھ بھی کسی کی ملکیت نہیں ۔ہمارے دفتر، ہمارے دفتر ہی نہیں ہیں، ہمارے ماتحتوں کے بھی ہیں۔ ہماری بادشاہت ہماری بادشاہت نہیں ۔یہ ملک ہماری رعایا کا بھی ہے۔کوئی کسی کا مالک نہیں ہے۔

یہاں جو کچھ ہے یہیں رہے گا اور اُسے اپنا کہنے والا یہاں نہ ہوگا۔بڑے کرب ناک مرحلے ہیں۔اِس حیاتِ چند روزہ میں ہم صرف اپنی ملکیت کی ملکیت ہیں۔ہمارے بچے ہمارے مالک ہیں۔ ہمارا مرتبہ ہمارا بوجھ ہے۔ ہماری رعایا ہماری عاقبت ہے بلکہ عبرت ہے۔ ہمارے ماتحت ہماری آزمائش ہیں، ہمارے سامنے ہمارے خلاف گواہیاں چل رہی ہیں۔ہم بڑے روگ میں ہیں۔ ہمارا ہونا نہ ہونے تک ہے۔ ہماری ہستی نیستی ہے۔ ہمارا دل دلبروں کے توڑنے کیلئے بنا ہے۔ ہماری محبت ہماری قید ہے۔ ہماری نفرت ہمارا عذاب ہے، ہماری آرزو ہماری فریاد ہے، ہمارا غرور ہمارا اپنا مذاق ہے، ہم حصار میں ہیں، آرزوؤں کا حصار، تمناؤں کی زنجیر، ہمارا علم ہمارا حجاب ہے، ہمارا گھر خوبصورت مگر زندان، ہم اِسی میں رہنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے بس میں بے بسی کے علاوہ کچھ نہیں ۔ہم ریت کی دیوار ہیں، گرتے رہنا ہمارا مقدر ہے، اِس کربِ مسلسل سے نجات صرف اور صرف اپنی فنا کو تسلیم کرنا ہے۔میری زندگی جس نے عطا کی وہی اُسے واپس لے لیتا ہے اِس میں میرا کیا دخل ہے۔کیا میں اپنے آپ میں دخل دینا چھوڑ سکتا ہوں۔کرب سے نجات کی راہ یہی ہے۔حکم دینے والے کا حکم زندگی ہے۔تو ہم زندہ ہیں۔حکم دینے والا موت کا حکم دے تو ہم حاضر ہیں۔افسوس کی بات نہیں اطاعت کی بات ہے۔اطاعت اور صرف اطاعت، دُکھ سے نجات ہے یہاں نہ کچھ کھونا ہے اور نہ پانا ہے۔یہاں تو صرف آنا اور جانا ہے۔دُکھ کس بات کا۔ (اقتباس از قطرہ قطرہ قلزم)

اطاعت و اُلفتِ رسولؐ اور آدابِ محفل سید الکونینؐ

(عبدالرشید ساہی)

یادِ محبوبؐ فراموش نہ ہووے اے دل
حسنِ نیت نے مجھے عشق سی نعمت دی ہے

اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدمؑ سے لے کر سیدنا عیسیٰؑ تک جتنے نبی اور رسول مبعوث فرمائے وہ سب کے سب برگزیدہ اور قابلِ صد احترام ہیں مسلمان کسی نبی کی بے ادبی کفر کے مترادف تصور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء و مرسلین کے آخر میں سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا حضور ﷺ سرورِ انبیاء اور محبوبِ کبریا کی حیثیت سے تمام انبیاء اکرام پر فضیلت رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات صرف آپ کی بدولت فرمائی۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں!

خیمہ افلاک کا استادہ اِسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اِسی نام سے ہے

حضور ﷺ کی اطاعت و محبت کے بغیر کوئی فرد نہ تو مسلمان ہو سکتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی اس پر منافقوں نے کہا کہ محمد ﷺ یہ چاہتے ہیں کہ انہیں رب مان لیں جیسا نصاریٰ نے عیسیٰؑ بن مریم کو رب مانا۔ اِس پر اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے رد میں یہ آیت نازل فرما کر اپنے پیارے رسول ﷺ کے کلام کی تصدیق فرمادی کہ "بیشک رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے (پارہ سورۃ النساء۔ 80) اِن ارشاداتِ عالیہ سے واضح ہوتا ہے کہ جس طرح حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی ہے اِسی طرح حضور ﷺ کی بے ادبی اور مخالفت بھی اللہ کی مخالفت اور بے ادبی ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے ساتھ اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت کو وابستہ فرما کر تمام انسانیت پر واضح کر دیا کہ جس انسان کا محبت رسول ﷺ سے منور نہیں ہوگا وہ نہ دولت

ایمان سے مستفید ہو سکے گا نہ اللہ کی محبت حاصل کر سکے گا۔علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

کی محمدﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا ؟ لوح و قلم تیرے ہیں

ارشادِ ربانی ہے "تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ اور اللہ کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا"۔

(پارہ 10،سورۃ توبہ۔24)

علامہ قبالؒ فرماتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسین، وہی طٰہٰ

نبی مکرم و محترم نے فرمایا "تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے میرے (حضورؐ) ساتھ اپنے والدین، اولاد اور باقی تمام لوگوں سے بڑھ کر محبت نہ ہو" (بخاری و مسلم)

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا حصول حضورﷺ کی اطاعت سے مشروط کر دیا ہے ارشاد ربانی ہے "اے نبیؐ کہہ دیجئے اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میری اطاعت کرو"

(پارہ 4 سورۃ آل عمران 31)

نبی مکرم و محترم کی اطاعت میں ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز پوشیدہ ہے کسی مسلک اور فرقہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔قائداعظم محمد علی جناحؒ سے کسی نے سوال کیا کہ آپ سنی مسلمان ہیں یا شعیہ تو قائد نے جواب دیا حضورﷺ کیا تھے؟ سوال کرنے والے نے کہا مسلمان تو قائد نے برجستہ جواب دیا میں بھی مسلمان ہوں حضور اکرمﷺ نے اپنی زندگی کے چالیس سال میں اپنے کردار کی عظمت کو منوایا آپؐ کے جانی دشمن بھی آپؐ پر انگلی نہ اُٹھا سکے آپؐ کی صداقت اور امانت کی گواہی دیتے رہے آج بھی ہم اگر حضورﷺ پر نور کی حقیقی اطاعت اپنائیں تو تمام

پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل ہوسکتا ہے۔لیکن جب تک زبانی کلامی جمع خرچ رہےگا۔اس وقت تک مصائب بھی رہیں گےاور مسائل بھی رہیں گے۔علامہ اقبال فرماتے ہیں!

زباں سے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم دعوٰی تو حضور اکرم ﷺ کی غلامی کا کرتے ہیں مگر اطاعت رسولؐ نام کی کوئی بات ہم میں نہیں ہے، نہ سچائی ہے، نہ ایمانداری ہے، نہ وعدہ کا پاس ہے، نہ ہی فرض کی ذمہ داری کا لحاظ ہے، تعلیمی ڈگریاں بہت ہیں، علم بہت ہے عمل صفر ہے چاہیئے تو یہ کہ علم والے بددیانتی نہ کریں، رشوت نہ لیں، قوم اور ملت کے اثاثوں کی رکھوالی کریں قوم کی امانت میں خیانت نہ کریں، لیکن اِدھر تو بالکل اُلٹ ہورہا ہے نہ کسی فرد کی امانت محفوظ ہے نہ قوم کی بلکہ حج جو کہ اسلام کا رُکن اور عالمگیر فریضہ ہے اس کو بھی پاک نہیں رہنے دیا گیا اِس میں بھی بہت کرپشن ہورہی ہے۔حکومت کا کوئی شعبہ اور کوئی ادارہ اِس لعنت سے پاک نہیں ہے، کسی کا بھی دامن اِس آلائش سے صاف نہیں ہے ہر دفتر میں تصویر قائداعظم محمد علی جناحؒ کی سجائی ہوئی ہے ۔ہمیں شرم نہیں آتی قائد کی روح کیا سوچتی ہوگی ۔قائد کی کوئی جاگیر آپ نے دیکھی ہے۔کوئی بینک بیلنس نکلا ہے۔یہاں تک کہ اِس مردِ آہن نے صحت اور جان کی پروا نہیں کی اور اللہ کے فضل کے ساتھ یہ ملک پاکستان آپ کو آزاد کر کے دیا تم اِس ملک کے ساتھ کونسی وفا کر رہے ہو۔سیلاب زدگان اور زلزلہ زدگان کے فنڈ کھا رہے ہو۔یتیموں اور بیواؤں کے حق مار رہے ہو ملک کے غریب عوام کا خون چوس رہے ہو۔ ظالمو۔روزِ محشر کیا جواب دو گے۔عدالتوں میں مظلوم انصاف کے حصول کیلئے مارے مارے پھر رہے ہیں کوئی پرسان حال نہیں ہے۔یوم حساب قریب آرہا ہے جاہل اور ظالم حکمرانو۔یاد رکھو تمہیں یہاں بھی حساب چکانا ہوگا اور آخرت میں بھی مظلوم کا ہاتھ اور تمہارا گریبان ہوگا۔اسلام کو صرف اور صرف مسجد اور کعبہ تک محدود نہ کرو۔معاشرہ کو اسلام کی جیتی جاگتی تصویر بنادو۔نبی مکرم ﷺ نے عملی طور پر حکومت کر کے دکھائی حکومت کے اصول اور آداب ارشاد فرمائے۔ان پر عمل کرو کامیاب ہو جاؤ گے اور غنی بھی ہو جاؤ گے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

بمصطفےٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ اونہ رسیدی تمام بولہبی است

ترجمہ! اپنے آپ کو محبوبؐ خدا کے رنگ میں رنگ لو اصل دین یہی ہے اگر ایسا نہ ہو سکا تو ساری کی ساری ابولہبی شمار ہوگی)۔ارشاد ربانی ہے" ساری کی ساری عزت اللہ کیلئے اور اللہ کے رسولؐ کیلئے اور مومنین کیلئے ہے" اطاعت رسول مقبول ﷺ کے بغیر انسان مومن نہیں بن سکتا۔

علامہ فرماتے ہیں۔

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں

حضور محسن انسانیت ایسے حکمران، بادشاہ اور رہبر و رہنما تھے کہ آپؐ کی مجلس اور گھر کے آداب خود ذات کبریا نے مقرر فرمائے۔ارشاد ربانی ہے" اے ایمان والو حضورؐ کی مجلس میں اپنی آوازیں اونچی نہ کرو حضور ﷺ کی آواز سے اور ان کے سامنے چلا کر بات نہ کرو جیسے ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

(پارہ 26 الحجرات 2)

ابولہب نے حضور ﷺ سے گستاخی کی آپؐ نے اس کو کچھ نہ کہا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے ایک ایک گستاخانہ لفظ کا نہ صرف جواب دیا بلکہ اسے نیست و نابود کر دیا حضرت صدیق اکبرؓ خلفیہ اول نے مرتدین اور گستاخانِ رسول کا سر قلم کر دیا اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ سے دشمنی کو اپنی دشمنی سے تعبیر کیا ہے ارشاد ربانی ہے۔" کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہو چکے ہو مسلمان ہو کر"۔(پارہ 10 التوبہ 9) فقہ کی معروف کتاب بہارِ شریعت میں ہے کہ" کسی نبی کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنا یا ان کیلئے کوئی عیب تلاش کرنا کفر ہے۔علامہ فرماتے ہیں۔

محمد ﷺ عربی آبروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست، خاک برسر اوست

ترجمہ!محمد ﷺ عربی دونوں جہانوں کی آبرو ہیں جس کے پاس ان کے در اقدس کی خاک نہیں اس کے سر پر خاک ہے۔

علامہ اقبالؒ نے محبت رسول ؐ کو ایک شعر میں پیش کیا ہے۔

شوق تیرا گر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

ترجمہ" پیارے حضور اگر آپؐ کے دیدار، محبت اور وفا کا شوق میری نماز کا رہنما نہ ہو تو پھر میرا نماز میں اللہ تعالیٰ کے سامنے قیام وسجود پردہ ہے اور ایسے قیام وسجود سے مجھے کچھ حاصل نہ ہو سکے گا"۔

دُنیا کے ہر سچے کلمہ گو مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور سرورکائنات اور محسن انسانیت کی محبت ہی ایمان کی بنیاد ہے آپ کی اطاعت انسانیت کی اصل زندگی ہے اور خوبصورت معاشرہ کی شان ہے۔آپؐ کی اطاعت کیلئے قرآنی فرمان عالیشان ہے آپ کی اطاعت میں زندگی بسر کرنے والا حقیقی انسان ہے آپ کی اطاعت ہی انسانیت کی جان ہے آپؐ کا حقیقی عشق ہی مسلمان کی پہچان ہے آپؐ کی عظمت کی پاسبانی کیلئے مرمٹنا حقیقی زندگی کا اعلان ہے جو آپؐ کی محبت میں جان دے وہ امر ہو جاتا ہے۔

دلبر دے گھر بے پرواہی کرے غریب نوازی
جس پر پاوے نظر محمد ﷺ جت جاوے او بازی
(میاں محمد بخش کھڑی شریف)

جناں بندیاں دا مرشد کامل پیر کامل سردار ہے کل پیغمبراں دا
کائنات دا سوہنا تے فخر عالم سلطان دھرت تے انبراں دا
(وارث شاہ)

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہم عالم اسلام کے مسلمانوں کو حقیقی عشق مصطفےٰ ﷺ اور اطاعت رسول کریم ﷺ عطا فرمادیں۔آمین

رفعتِ خیال

(واصف علی واصف)

کیا بلند خیالی یہ ہے کہ زمین پر بیٹھ کر آسمان کی باتیں سوچی جائیں؟ نہیں قطعاً نہیں بلکہ اِس کے بالکل برعکس۔ بلند خیالی یہ ہے زمین پر بیٹھ کر یہ نہ بھولنا کہ ہم زمین پر بیٹھے ہیں اور زمین پر بیٹھنے والے خواہ کتنا ہی اکڑ کر چلیں۔ آخر زمین کے اندر سما جاتے ہیں۔ مطلب یہ نہیں ہم زمین پر چلنا چھوڑ دیں اِس لئے کہ اِس کے اندر سما جانا ہے۔ نہیں قطعاً نہیں۔ صاحبانِ خیال اپنے اعمال کا خیال رکھتے ہیں وہ اتنا بوجھ اُٹھاتے ہیں جس سے سفرِ آسمان رہے ہر شے ہر وقت حاصل کرنے کی تمنا لاحاصل ہے۔ رفعتِ خیال ایثار میں پلتی ہے۔ ایثار دراصل فروغِ خیال کا واحد ذریعہ ہے۔

مجبوری یہ ہے کہ رفعتِ خیال، خوش خیالی یا خوش فہمی نہیں ہے۔ رفعتِ خیال اظہار میں ضرور آتی ہے اور اس اظہار سے لوگوں کیلئے منفعت ہے۔ صاحب خیال کیلئے خیال صرف سوز ہے۔ وجدان ہے۔ سورج کے پاس دنیا کیلئے روشنی ہے، اپنے لئے آگ، الاؤ، تپش، سوز، جلنا اور مسلسل جلنا! تو مجبوری یہ ہے کہ اگر انسان بخیل ہو تو اسے رفعتِ خیال کیسے مل سکتی ہے۔ اِسے سورج کون بنائے گا جو روشنی دینے سے انکار کرے! مزاج میں سخاوت اور ایثار نہ ہو تو کبھی رفعت خیال نہیں مل سکتی۔ رفعتِ خیال اپنے پاس رہے تو خیال نہیں رہتا۔ اپنا خیال دینے سے اپنا کہلاتا ہے۔

زندگی کے تمام اثاثوں میں، تمام خرابیوں میں، تمام حاصل میں سب سے قیمتی، سب سے اعلیٰ شے حسن خیال ہے۔ جو شخص کسی کو اپنا مال، جو خیال کے مقابلے میں کم تر اثاثہ ہے نہیں دے سکتا وہ کسی کو بلند خیالی کیسے دے گا۔ اور بلندی خیال نہ دینے والا بلندی خیال رکھ نہیں سکتا۔ یعنی جس کے مزاج میں دینا نہیں ہے۔ اِس کے نصیب میں بلند خیالی نہیں۔ تم مال تقسیم نہیں کرتے۔ خیال کیسے بانٹو گے۔ یہی مجبوری ہے اور اس کا علاج یہ ہے کہ اپنے خیال کو تقسیم کرو، اپنے حال میں شریک کرو، اپنے آپ کو دوسروں کیلئے سمجھو۔ یعنی جو تم نے دیا وہ تمہاری بلندی ہے جو تم لیتے ہو جمع کرتے ہوں، جس کا اپنی ذات تک استعمال رکھتے ہو، جس پر مغرور ہو، جس خیال سے لوگوں کو

افسردہ کرتے ہو، جس مرتبے سے انہیں ڈراتے ہو۔ جس علم کے ذریعے لوگوں کو پریشان کرتے ہو، سب خودغرضی ہے، سب پست خیالی ہے کیونکہ بلند خیالی ایثار ہے، روشنی دینا اور آگ میں جلنا۔ بلند خیال لوگ فطرت کے انوکھے شہکار ہیں۔ اِن کو الگ رازِ ہستی ملا۔ اِن کو نئے معنی ملے۔ زندگی کے۔ انکو حاصل اور محرومی کے نئے رُخ سے آشنائی ہوئی۔ بلند خیال کامیابی اور ناکامی کے مفہوم، حقیقی مفہوم سے آشنا ہوتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی مقصد میں کامیاب ہونا زندگی کی کامیابی تو نہیں۔ گناہ میں کامیابی، زندگی میں ناکامی ہے۔ ایک سخی غریب صاحب خیال ہوسکتا ہے اور ایک بخیل امیر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم خیال۔

دوسروں کے درد کو اپنا درد سمجھنے والوں کو بلند خیال عطا کیا جاتا ہے۔ خدمت انسانیت کے مخلص جذبے کو فطرت خود خیال کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔ بلند خیالی انسانی کاوہ حاصل ہے جو کوشش سے نہیں، نصیب سے ملتا ہے۔ بلند خیال انسان خاک نشین ہو تب بھی عرش نشین ہے۔ رفعت خیال چونکہ عطا ہے اِس لئے صاحب خیال ہمیشہ عطا ہی کرتا ہے۔ اگر کمائی ہوتی تو ہمیشہ سنبھال کر رکھی جاتی۔ اگر سامان ہوتا تو سجایا جاتا۔ اگر مرتبہ ہوتا تو لوگوں کو ڈرایا جاتا۔ لیکن یہ تو عطا ہے۔ دینے والے کا عمل، دینے والے نے دینے کیلئے دیا۔

پس دینے والوں کو اور ایثار کرنے والوں کو بلند خیالی اِس لئے ملی کہ وہ خود چراغ کی طرح جلیں اور روشنی بانٹیں۔ بخیل، مطلب پرست، طالبِ زر سوچتے جائیں کہ یہ سب کیا ہے۔ رفعت خیال نعمت پروردگار ہے۔ زندگی میں حاصل ہونے والا اور زندگی کے بعد بھی رہنے والا سرمایہ یہی رفعت خیال ہے۔ (انتخاب! نادیہ طالب توحیدی)

سرزمین موسیٰ

(مولانا محمد الیاس اظہر الازہری)

مسجد سیدہ نفیسہ

یہاں فاتحہ خوانی کر کے دائیں طرف ایک چھوٹے بازار میں داخل ہوئے تو آگے جا کر بائیں جانب ایک گلی میں سیدہ نفیسہ بنت حسن بن زید کا مزار اور اس کے ساتھ بہت خوبصورت مسجد میں داخل ہوئے یہ دونوں مزارات بھی فن تعمیر کا عمدہ نمونہ ہیں۔اس مزار کی لوح پر مندرجہ ذیل عبارت درج تھی۔

السیدة نفسیه بنت الحسن بن زید بن الحسن بن علی ابن ابی طالب ولدت فی مکه عام ١٤٥ھ زوجته اسحاق الموتمن بن جعفر الصادق توفیت عام ٢٠٨ھ واقامت بمصر سنین اس پر امام موسیٰ کاظم کی انگوٹھی کا نقش "الملک للہ وحدہ" لکھا ہوا تھا۔

مسجد راس الحسینؓ

یہ مسجد جامع الازہر کے بالکل سامنے سڑک سے پار کوئی دو سو گز کے فاصلے پر ہے۔ دراصل الحسین ایک بڑا چوک ہے اور الحسین سے الازہر کی طرف جانے کیلئے زیر زمین راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔کیونکہ اِس سے بچنے کیلئے سڑک پر شرقاً غرباً دیوار بنا کر آہنی جنگلے سے راستہ اِسی طرح بند کر دیا گیا ہے جیسے آج کل نئی انارکلی سے لوہاری دروازے کی طرف جانے کیلئے زیر زمین بنایا گیا ہے اور اوپر کی جانب جنگلا لگا ہوا ہے اِس پر زیر زمین راستے کو مصر میں "نفق" کہتے ہیں جسکا مطلب سرنگ ہے۔

"الحسین" دراصل "مسجد راس الحسین" ہے جو کثرت استعمال سے اب مخفف ہو کر صرف الحسین بولا جاتا ہے اور یہاں کے بس سٹاپ کو بھی "موقف الحسین" ہی بولتے ہیں ۔اِس کی تاریخ

کچھ اس طرح ہے کہ مصر پر فاطمیوں کی حکومت نے امام حسینؓ کا سر دمشق سے نکلوا کر مصر پہنچایا اور پھر بڑے تپاک سے اسے یہاں دفن کیا گیا۔ اس پر بہترین مزار اور ساتھ ہی بہت بڑی جامع مسجد ہے۔ اس مسجد میں ایک بڑی لائبریری بھی ہے جو اوپر کی منزل میں ہے۔ ہم نے اس لائبریری میں بیٹھ کر مطالعہ بھی کیا۔ اِس مسجد کی محراب کی دائیں طرف دو دروازے ہیں اِس پر لکھا ہوا ہے "للدخول" یعنی داخلے کیلئے اس کی پیشانی پر اللہ، ابوبکرؓ، عمرؓ لکھا ہوا ہے یہ دروازہ دائیں طرف ہے۔ دوسرے پر لکھا ہوا ہے "للخروج" یعنی نکلنے کیلئے اِس کی پیشانی پر محمد ﷺ، عثمانؓ، علیؓ لکھا ہوا ہے۔ یہ دروازہ بائیں طرف ہے۔ یہ مسجد عموماً شیعہ حضرات سے بھری رہتی ہے مگر خلفاء راشدین کے نام پڑھ کر تعجب ہوا کہ یہ کوئی نئی قسم کے شیعہ ہوں گے۔ دروازے سے اندر داخل ہوئے تو سامنے پیتل کی مضبوط اور خوبصورت مستطیل جالی ہے جس پر سونے کا پانی چڑھایا ہے۔ اوپر اِسی جالی کی پہلی چھتری ہے اور اندر ایک قبر ہے۔ یہی امام حسینؓ کے سر مبارک کا مدفن ہے۔ جالی سے اوپر بہت خوبصورت گنبد ہے جو مصری طرز تعمیر کا چھوٹا نمونہ ہے۔ لوح مزار پر یہ عبارت درج ہے "مقام الامام الحسین ابن سید امیر المومنین علی ابن ابی طالب صلوات اللہ علیھم اجمعین۔ ہذا ما تقرب بہ الی اللہ الداعی الفاطمی الی اہل البیت السید ابومحمد طاہر سیف الدین"

یہاں مصری عورتیں سیدہ نفیسہ کے مزار کی طرح جالی کو چوم رہی تھیں اور ساتھ ساتھ مزار کا طواف بھی کر رہی ہیں۔ ہم نے جی بھر کر فاتحہ بھی پڑھی اور یوں محسوس کیا جیسے سچ مچ امام حسینؓ کے مزار پر ہی ہیں اگر چہ ان کا اصل مزار تو ظاہر ہے کہ عراق میں ہی ہے مگر ان کا سر مبارک تو تھا ہی۔ مزار سے باہر آئے تو ساتھ ہی بجانب جنوب ایک کمرے میں اس طرح تبرکات رکھتے تھے جیسے بادشاہی مسجد لاہور میں ہیں۔ اس کمرے کے دروازے پر لکھا تھا "مخلفات الرسول" یہاں سے باہر نکلے تو بینڈ باجے کی آواز کانوں میں پڑی۔ میدان کی طرف بھاگم بھاگ پہنچے کہ شاید مصریوں

کی شادی دیکھنے کو ملے مگر وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اونچے طبقے کے بچوں کا کوئی پروگرام ہے۔ ہم عورتوں کے ہجوم میں گھس کر کھڑے ہو گئے (کیونکہ یہاں زن و مرد کے اختلاط کو معیوب نہیں سمجھا جاتا) اس لئے اس آگ میں بے خطر کود پڑے اور بچوں کا شور دیکھنے لگے۔ چھوٹے چھوٹے سرخ و سفید بچیوں کی ٹولیاں بینڈ کی دھن پر رقص کناں تھیں۔ یہ موسیقی عربی اور مصری تھی اور رقص بھی عربی تھا۔ بینڈ ماسٹر ایک حبشی تھا۔ پھر یہاں سے سامنے ہی الازہر میں بذریعہ نفق پہنچے۔ نماز ظہر باجماعت ادا کی اور مسجد سے ملحق دائیں جانب ایک محلے میں داخل ہوئے جسے "دربہ اتراک" کہتے ہیں۔ یہاں بہت بڑی سبزی منڈی بالکل گوجرانوالہ جیسی اور پنساری و کریانہ کی دوکانیں اکبری منڈی جیسی ہیں۔

قدیم قاہرہ کی اندرونی مساجد

قدیم قاہرہ کے شمالی حصے کو "العباسیہ" کہتے ہیں یہاں ہمارا کیمپس ہے۔ یہ جگہ "فاطمی قاہرہ" کی فصیل سے باہر ہے۔ اس کیمپس کے سامنے پولیس لائن ہے جہاں سہالہ کی طرز پر پولیس کو ٹریننگ دی جاتی ہے۔ اس کیمپ کو "الدراسہ" کہتے ہیں۔ یہاں سے جامع الازہر کی طرف پیدل چلیں تو تھوڑا سا آگے جا کر دائیں طرف بجانب مغرب ایک سڑک مڑتی ہے۔ اس کی شکل و صورت بالکل لاہور شیرانوالہ اور کشمیری دروازے کے باہر والی سرکلر روڈ کی سی ہے۔ یعنی گندگی کے ڈھیر اور پرانی فصیل کے آثار تھوڑا سا آگے چلیں تو سڑک کے بائیں طرف پرانے لاہور کی طرح ایک بہت بڑی قلعہ نما عمارت آتی ہے جو دراصل دو دروازوں کے درمیان والی اونچے برجیوں والی دیوار ہے۔ پہلا دروازہ باب النصر" اور اس کے آگے مغربی جانب والا دروازہ "باب الفتوح" کہلاتا ہے۔ یہ پورا علاقہ کشمیری دروازے سے لے کر بادشاہی مسجد تک کے علاقے کی ہو بہو نقل معلوم ہوتی ہے۔ دروازوں کے پٹ بالکل بادشاہی مسجد کے اس

دروازے کی طرح ہیں جو شاہی محلے کی طرف کھلتا ہے۔فرق یہ ہے کہ لاہور کی ساری تعمیرات چھوٹی اینٹ کی ہیں جبکہ قاہرہ کے ان دروازوں کے درمیان والی دیوار اور دیواری بلند و بالا ڈاٹیں اور اوپر کی محرابیں سب کی سب پتھر کی ہیں۔ہم دوسرے دروازے سے اندر کی طرف مڑے تو بائیں ہاتھ ایک بہت بڑا دروازہ نظر آیا۔اندر داخل ہوئے تو ایک عظیم الشان مسجد کے صحن میں پہنچے یہ ''مسجد انور'' کہلاتی ہے جو قاہرہ کے مشہور بازار ''سوق النحاسین'' یعنی ٹھٹھیرا بازار کے شروع میں آتی ہے۔اِس مسجد کو مشہور فاطمی خلیفہ ''حاکم بامر اللہ'' نے ۴۰۰ھ میں تعمیر کروایا تھا۔ اِس کے دو بڑے ہیبت ناک مینار ہیں جیسے کسی بہت بڑے قلعے کے عظیم الشان برج ہوں۔صحن کے دونوں طرف بلند و بالا اور کشادہ برآمدے ہیں۔دائیں بائیں والے برآمدہ 24+24 ستونوں پر مشتمل ہیں جبکہ داخلے کے گیٹ کے ساتھ دائیں بائیں جو برآمدے ہیں وہ 32 ستونوں پر مشتمل ہیں۔مسجد کا ہال ان دیوہیکل ستونوں پر مشتمل ہے جنکی موٹائی 2 کرم اور ایک کرم ہے اور ان کی کل تعداد 80 ستون ہے۔ہر دو ستونوں کے اوپر محرابی ڈاٹیں بنائی گئی ہیں اور اوپر چھت ایسی لکڑی سے بنائی گئی ہے جس پر ہزار برس گزرنے کے باوجود موسم کا کوئی اثر نہیں۔یہ لکڑی سیاہ رنگ کی ہے اور سنگاپور سے منگوائی گئی ہے۔شاید ساگوان ہو۔یہ مسجد فرانسیسیوں نے مصر پر قبضے کے بعد اصطبل بنائی تھی (جیسے ہماری بادشاہی مسجد کے ساتھ ہوا تھا) باقی کسر زلزلے نے پوری کی اور پھر آزادی کے بعد مدت دراز تک سکول اور گراؤنڈ کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔مگر حال ہی میں برصغیر سے گئے ہوئے بوہروں نے اِس تاریخی مسجد کو محکمہ اوقاف اور محکمہ آثار قدیمہ کی اجازت سے از سر نو اصل شکل میں لانے کا بیڑا اُٹھایا اور زرِ کثیر صرف کر کے محض فاطمی خلفاء سے محبت اور عقیدت کے جذبے کے تحت بالکل اصل حالت میں لوٹا دیا ہے۔ظاہر ہے اِس پر لاکھوں روپے خرچ ہوئے ہوں گے۔اسی بازار کے دائیں بائیں گلیوں میں وہ بوہری

خاندان رہتے ہیں جو برصغیر پاک وہند سے ہجرت کر کے قاہرہ میں آباد ہو گئے ہیں اور جنکی تعداد ستر خاندان ہے۔ یہ لوگ اپنے پاجاموں اور خاص شکل کی ٹوپیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔ ہم نے یہ معلومات ایک بوہرے سے حاصل کیں۔ یہ لوگ اُردو بھی بولتے ہیں۔ مسجد بہت جلالی ہے اور اِسے دیکھ کر مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا احساس ہوتا ہے۔ تاہم اِس مسجد کی امامت وخطابت اور پورا کنٹرول ازہر کے ہاتھ میں ہے۔ بوہرے صرف مسجد کی خدمت گزاری کر سکتے ہیں۔

مسجد سلحدار ترکی

اِس سڑک کا پرانا نام ''شارع المعز لدین اللہ'' ہے۔ المعز لدین اللہ وہ فاطمی خلیفہ ہے جس نے جامع ازہر بنوائی تھی۔ مزید جنوب کی طرف بڑھے تو ایک اور خوبصورت قدیم مسجد آئی جا کا نام ''مسجد سلحدار ترکی'' ہے۔ یہ مسجد اونچی کرسی پر ہے اور اندرون لاہور کی سنہری مسجد یا مسجد وزیر خاں کی طرح منقش ہے۔ اگرچہ چھوٹی سی ہے۔ صرف اِسکی چھت لکڑی کی منقش ٹکڑوں سے بنائی گئی ہے۔ ہم نے اِس مسجد میں نمازِ عصر باجماعت ادا کی۔ اس کے ستون سنگ مرمر کے ہیں۔

مسجد اقمر

تھوڑا سا آگے جا کر ایک چھوٹی مسجد ہے جسے ''منصور آمر باللہ'' نے بنوایا تھا۔ یہ مسجد 524ھ کی تعمیر شدہ ہے۔ اِس کی کرسی سطح زمین سے نیچے ہے جیسے بیگم شاہی مسجد لاہور ہو۔ آج کل اِس کا نام ''جامع اقمر'' ہے۔ اِسے بھی بوہرے از سر نو تعمیر کرا رہے ہیں۔ اور اس کے سنگ مرمر کو رگڑا کر اوپر سے میل اتروا کر بالکل انڈے کی طرح سفید نظر آنے لگی ہے۔

قصر بشتاک

مزید آگے بڑھیں تو بائیں ہاتھ ایک گلی کے اندر ایک بورڈ لگا ہوا ہے۔ جس پر لکھا ہے ''قصر بشتاک''۔ تجسس کی حس کو تسکین دینے کیلئے قصر کے سامنے پہنچے تو دروازے پر ایک مصری سرکاری

کارندہ موجود تھا ہم نے دروازے کے باہر نصب بورڈ کو پڑھا وہاں یہ عبارت درج تھی۔

بنــاہ الامیـر سیف الـدین بشتـاک النـاصری 735ھ الی 740ھ بمطابق 1334م الی 1339 م و ھـو احد النماز ج القلیلته فی العمارة الـمحلیته المملو کیته کیته بالرغم من ان اجزاء معینته منه قد خرجت منذامد بعید فان الجزء الرئیسی مازال موجوداً

یعنی اِس محل کو امیر سیف الدین بشتاک ناصری نے 735ہجری بمطابق 1334ء تا 1339ء بنوایا اور یہ محل خاندان غلاماں کی مقامی عمارات میں سے ایک نادر نمونہ ہے۔ حالانکہ اِس کے اہم اجزا مدت دراز سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ لیکن اِس کی مرکزی عمارت آج تک باقی ہے۔

اِس محل کے مندرجہ ذیل حصے ابھی تک موجود ہیں۔ اِن حصوں کے نام بھی بورڈ پر لکھے ہوئے ہیں۔ **دورة میاه غرفته فناه حجرة غرفته اسقبال عصر معلو کی عصور لا حقه** یعنی باتھ روم، بڑا کمرہ، صحن، خاص کمرہ، اِستقبالیہ کمرہ ڈرائنگ روم۔ ان کے بعد ادوار دیکھنے کا شوق تو بہت تھا مگر جیب اجازت نہیں دیتی تھی۔ کیونکہ نصف پاؤنڈ کی ٹکٹ لینا پڑتی تھی اور ہم پیسوں کی بچت کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ہم نے اپنی ضروریات بھی تو پوری کرنا تھیں۔ نیز کتب بھی خریدنا تھیں۔ آخر ہم کوئی سیاح تو تھے نہیں کہ اپنے پیسے سیاحت پر لٹاتے۔ ویسے مصریوں کا ایک اصول پسند آیا کہ تمام تاریخی مقامات پر طالب علموں سے نصف ٹکٹ کے پیسے نہیں لیتے ہیں۔ البتہ غیر مسلموں سے ضرور لیتے ہیں۔ ہم سے کئی بار سرکاری کارندوں نے پوچھا "مسلم ولا غیر مسلم"، یہ ان کی مقامی عربی ہے۔ جس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ آیا آپ مسلمان ہیں یا غیر مسلم؟

مسجد برقوق

قصر بشتاک کی زیارت ادھوری چھوڑ کر ہم آگے بڑھے تو چند قدموں کے فاصلے پر دائیں جانب بڑے بڑے سنگین ستونوں پر نظر پڑی جو مرور زمانہ سے سیاہ پڑ چکے تھے اور ان سے متصل سڑک کی جانب ایک جالی سی لگی ہوئی تھی اور دیوار کیساتھ ساتھ ایک پختہ نالہ سا بنا ہوا تھا۔ دروازے سے اندر داخل ہوئے تو اندھیرا ہونے کی وجہ سے ٹھیک طرح سے دیکھ نہ سکے۔ صرف مسجد دیکھی اور اس سے متصل بہت بڑی قبر بھی تھی۔ محافظ نے ہمیں بلا معاوضہ مسجد تو دیکھنے دی مگر مقبرہ نہ دیکھنے دیا۔ ہم نے صرف مسجد کے صحن سے ہی جالیوں سے اِس پار اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں ماریں۔ دروازے کی تحریر سے معلوم ہوا کہ برقوق کی مسجد ہے اور قبر برقوق کی بیٹی کی ہے۔

مسجد ابن قلاوون

مسجد برقوق سے بالکل متصل دوسرے بڑے دروازے سے اندر جھانکا تو معلوم ہوا کہ یہاں تو مسجد برقوق سے بھی بڑی مسجد ہے۔ بے دھڑک مسجد میں داخل ہو گئے۔ آگے مزدور لوگ کچھ اکھاڑ پچھاڑ میں لگے ہوئے تھے۔ ہم نے کوئی پرواہ نہ کی۔ کیونکہ ہمیں علم ہو چکا تھا کہ مساجد کی زیارت پر کوئی ٹکٹ وغیرہ نہیں۔ اس مسجد کی چھت پتھر کے بنے ہوئے چار دیوہیکل ستونوں پر ایستادہ تھی۔ ساتھ ہی بڑا عظیم الشان مقبرہ بھی تھا۔ جس پر منقش موٹی چادر ڈالی گئی تھی اور جس پر بہت بڑا گنبد بھی تھا۔ اس مسجد کے ساتھ ایک بڑی عمارت بھی تھی جو مدرسہ کی تھی۔ اس کے صدر دروازے پر یہ عبارت درج تھی۔ **مسجد و مدرسة الناصر محمد بزفلاوون اسها الامیر العادل زین الدین کتبغا المنصوری عام 495ه 1295م واکملها السلطان الناصر محمد بن قلادون عام 703ه 1304م۔ و تعبر هذه المدرسة من اوائل المدارس التی تشتمل اربعة ایوانات۔**

الایوان الجنوبی۔ الایوان الشمالی، الایوان الغربی۔ ایوان انقبلة ، مدخل ، وحدة الجلوس ۔ فنار نافورہ۔ محمد بن قلاوون،عصر مملوکی، اضافات لاحقہ۔ یعنی"مسجد اور مدرسہ الناصر محمد بن قلاوون "اِس کی بنیا تو امیر عادل زین الدین کتبغا المنصوری نے سال 495ھ بمطابق سال 1595عیسوی رکھی۔مگر اس کی تکمیل سلطان الناصر محمد بن قلاوون نے سال 703ہجری بمطابق سال 1304عیسوی میں کی ۔یہ مدرسہ اِن اولین مدارس میں شمار کیا جاتا ہے جن میں چار ایوان ہوتے تھے ۔یعنی جنوبی ایوان، شمالی ایوان، مغربی ایوان اور قبلہ کی جانب والا ایوان۔ اِس کمپلیکس کے اندر یہ تفصیلات بھی ہیں ۔داخلے کا صدر دروازہ اور ڈیوڑھی ۔ بیٹھنے کا حصہ۔صحن اور فوارہ۔محمد بن قلاوون کی قبر۔عہد غلاماں اور مابعد کے ادوار کی اضافہ شدہ عمارات ۔مسجد کی محراب کے ساتھ بہت بڑا چوبی منبر بھی ہے۔یہاں سے فارغ ہو کر ایک جدید مسجد ہے جسے

مسجدالاشرف

کہتے ہیں ۔ناک کی سیدھ میں ایک سڑک پر چلتے جائیں تو آگے ایک چوک آتا ہے جسے شارع الازہر کراس کرتی ہے۔یہ چوک بذریعہ فلائی اوور یا بالائی پل بھی پار کیا جاتا ہے اور نیچے سے بھی۔ سامنے پھر یہی سڑک یعنی "شارع المعز الدین اللہ" آگے بڑھتی ہے۔تھوڑا سا آگے بڑھے تو دائیں ہاتھ ایک اور بڑی تاریخی مسجد تھی جو برائے تعمیر نو یا برائے مرمت بند تھی۔ اِس مسجد کو

"جامع الغوری"

کہتے ہیں۔اِس کے بالمقابل دائیں ہاتھ سڑک پار "قصر الغوری" ہے۔یہ بہت بڑا محل ہے اور داخلہ بذریعہ ٹکٹ ہے۔اِس لئے اس کے دیکھنے سے محروم رہے۔معلوم ہوا الظاہر قانصوہ بن

قانصوہ الغوری 1499ء تا 1517ء کی یہ بڑی مسجد اور محل ہے۔ چھوٹی مسجد الغوری تو صلاح الدین کے پاس تھی۔ مزید جنوب کی طرف ایک چھوٹی سی مسجد ہے جسے۔

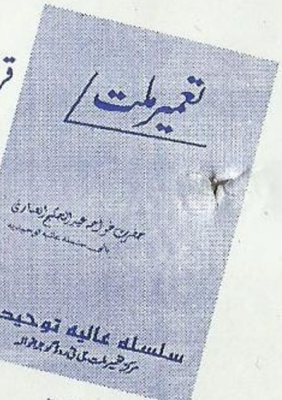
جامع سام بن نوح

کہتے ہیں۔ اِس سے تھوڑا سا آگے ایک بہت بڑی تاریخی مسجد ہے جس کے مینار باز ارمیں آرپار ایک بہت بڑے دروازے کے دونوں سروں پر ہیں۔ یہ دروازہ بہت بڑی سنگین ڈاٹ سے بنایا گیا ہے۔ اِس دروازے سے قدیم قاہرہ کی جنوبی فصیل شروع ہوتی ہے۔

جامع مسجد سلطان محمود

باب الزویلہ کے پہلو میں مغربی جانب جو عظیم الشان تاریخی مسجد ہے اِس کا نام مسجد سلطان محمود ہے۔ ہم مسجد میں نماز مغرب کے بعد داخل ہوئے مسجد بہت بڑی ہے اور بہت خستہ حالت میں تھی اِس لئے اِس کی پوری زیارت نہ ہو سکی۔ کیونکہ مرمت کا کام جاری تھا۔ وہاں چند بزرگ بیٹھے تھے۔ اِن سے اس کی تاریخی حیثیت پوچھی۔ مسجد کے دائیں پہلو میں اس کے بیٹے کی قبر ہے جبکہ دائیں پہلو میں اور خوبصورت گنبد کے نیچے سلطان کی ملکہ اور اِس کی بیٹی کی قبریں ہیں۔ ہم نے نامعلوم لوگوں کی قبروں پر فاتحہ پڑھی اور مزید جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ (جاری ہے)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کی شہرہ آفاق تصانیف



قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع اور ان کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی حقیقت کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور اخلاق وآداب کے اسرار ورموز اور نفسیاتی اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے ہوئے مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔



کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔



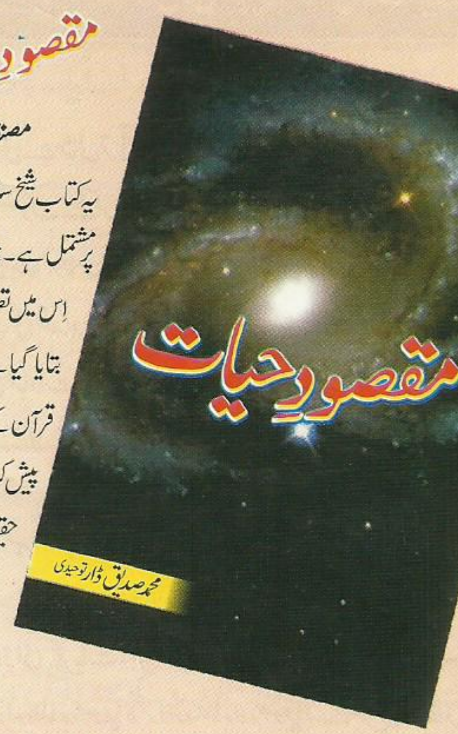
یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام اوراد و اذکار اور اعمال واشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔



وحدت الوجود کے موضوع پر یہ مختصر سی کتاب نہایت ہی اہم دستاویز ہے۔
مصنفؒ نے وحدت الوجود کی کیفیت اور روحانی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ آپ نے جن دیگر موضوعات پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:۔
حضرت مجدد الف ثانیؒ کا نظریہ وحدت الشہود، انسان کی بقا اور ترقی کیلئے دین کی اہمیت اور ناگزیریت، بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا اور روحانی سلوک کے دوران بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔

مکتبہ توحیدیہ کی مطبوعات

مقصودِ حیات

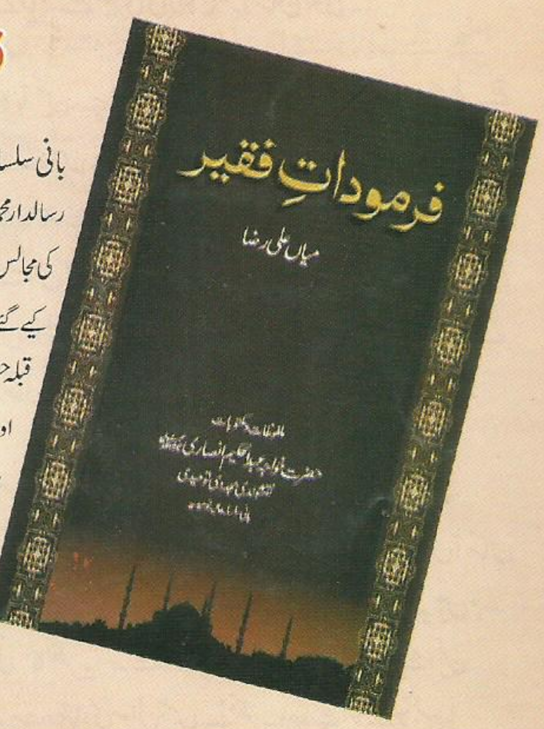


مصنف: محمد صدیق ڈار توحیدی (شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ)

یہ کتاب شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ قبلہ محمد صدیق ڈار صاحب کے سالانہ خطبات پر مشتمل ہے۔ جو انہوں نے سلسلہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر ارشاد فرمائے۔ اِس میں تصوف کی تعلیمات کو قرآن کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ تصوف اسلام اور قرآن سے باہر کی کوئی چیز نہیں بلکہ یہ عین قرآن کے احکامات کا نام ہے اور قرآن جس طرح کے بندہ مومن کی تصویر پیش کرتا ہے وہ بلاشبہ ایک سچے صوفی کا ہی روپ ہے۔ قرآن پاک کے حقیقی پیغام کو آسان پیرائے میں سمجھنے کیلئے یہ کتاب سالکانِ راہ حق کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

فرمودات فقیر

مرتب: میاں علی رضا



بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ، خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ اور آپکے دوست اور محسن رسالدار محمد حنیف خاںؒ کی سوانح حیات کیساتھ اِس کتاب میں قبلہ انصاری صاحبؒ کی مجالس کا تذکرہ اور اپنے مریدوں کو مختلف اوقات میں لکھے ہوئے خطوط شامل کیے گئے ہیں۔

قبلہ حضرت کی مجالس میں بیان کیے گئے چھوٹے چھوٹے واقعات نہایت سبق آموز اور راہ سلوک کے مسافروں کے علاوہ عام قارئین کیلئے بھی یکساں دلچسپی کا باعث ہیں۔ آپکے لکھے ہوئے جوابی خطوط میں بھائیوں کیلئے دینی و دنیاوی اور روحانی مشکلات کے حل کا سامان موجود ہے۔ نہ صرف اِن کیلئے جن کو یہ خطوط لکھے گئے بلکہ اب بھی ہر پڑھنے والے کیلئے فائدے کا سبب ہیں۔

Reg: SR - 01

Website: www.toheedia.net